اصولِ فقہ

مناہج و اسالیبِ اجتہاد

www.KitaboSunnat.com

شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

library@mohaddis.com

www.KitaboSunnat.com

قانون اسلامی۔ اختصاصی مطالعہ

اصولِ فقہ.....۱۷

اجتہاد اور تعبیرِ شریعت.....۲

مناہج واسالیبِ اجتہاد

پروفیسر ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی

www.kitabosunnat.com

شریعہ اکیڈمی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

www.KitaboSunnat.com

قانون اسلامی۔ اختصاصی مطالعہ

اصولِ فقہ.....۱۷

اجتہاد اور تعبیرِ شریعت.....۲

عنوان	:	مناہج واسالیب اجتہاد
مؤلف	:	پروفیسر ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی
نظر ثانی	:	پروفیسر ڈاکٹر غلام مرتضیٰ آزاد
ادارت	:	عرفان خالد ڈھلوں
حتمی تصحیح	:	شہزاد اقبال شام
نگران مطالعہ اسلامی قانون کورس	:	شہزاد اقبال شام
نگران منشورات	:	رفعت محمود
ناشر	:	شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
کمپوزنگ	:	محمد انور
مطبع	:	
سالِ طباعت	:	۲۰۰۳ء
تعداد	:	۱۰۰۰

ISBN 969-8263-32-2

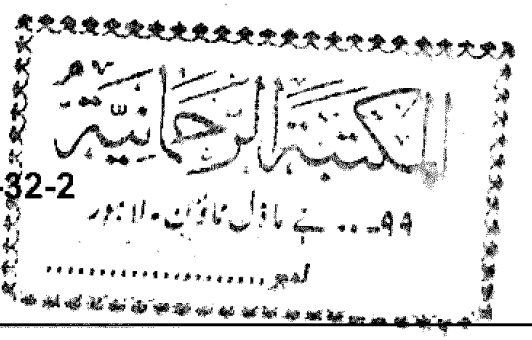

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

فہرست

۱۔	پیش لفظ	۵
۲۔	تعارف	۷
۳۔	مناہج واسالیب اجتہاد	۹
۴۔	تمہید	۹
۵۔	اجتہاد کا مفہوم	۱۰
۶۔	تصورِ اجتہاد کا آغاز	۱۱
۷۔	اجتہاد کا ثبوت	۱۲
۸۔	قیاس: اجتہاد کا ایک اہم منہج	۱۶
۹۔	قیاس اور شرح صدر	۱۸
۱۰۔	سنت میں قیاس کے نظائر	۲۲
۱۱۔	صحابہ کرامؓ اور قیاس کے استنباط	۲۳
۱۲۔	فقہاء کے ہاں قیاس کا مقام اور قیاسی استنباط	۲۴
۱۳۔	استحسان	۲۷
۱۴۔	استحسان کا مفہوم	۲۷
۱۵۔	استحسان کی بنیادیں	۲۸
۱۶۔	استحسان کا مقصد اور اس کا ثبوت	۲۹
۱۷۔	مصالح مرسلہ یا استصلاح	۳۱
۱۸۔	شریعت میں مصالح کا اعتبار	۳۲
۱۹۔	عزالدین اور ابن قیم کا تصورِ شریعت ومصلحت	۳۲
۲۰۔	مقاصدِ شریعت	۳۳
۲۱۔	استدلال	۳۴
۲۲۔	مفہوم	۳۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۳۔	استدلال کے طرق	۳۵
۲۴۔	دو حکموں کے مابین تلازم	۳۵
۲۵۔	استقراء	۳۵
۲۶۔	استصحاب حال	۳۵
۲۷۔	ذرائع	۳۶
۲۸۔	اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لیے فتح الذرائع	۳۶
۲۹۔	منکرات کی روک تھام کے لیے سدالذرائع	۳۶
۳۰۔	سدالذرائع کی مثالیں	۳۷
۳۱۔	اعتبارِ عرف ورواج	۳۸
۳۲۔	اعتبارِ عرف کی شرائط	۳۸
۳۳۔	فقہاء کے نزدیک عرف کی اہمیت	۳۹
۳۴۔	اجتہاد کا مشاورتی اسلوب	۴۰
۳۵۔	عہدِ رسالت میں مشاورتی اجتہاد	۴۱
۳۶۔	مشاورتی اجتہاد اور خلفاء کا انتخاب	۴۲
۳۷۔	اجماع	۴۵
۳۸۔	اجماع اور اجتہاد	۴۵
۳۹۔	اجماع کی سند قرآن کریم سے	۴۶
۴۰۔	اجماع کے بارے میں رسول اللہ کا تربیتی اسلوب	۴۷
۴۱۔	دورِ جدید کی ضرورت اور طریق کار	۴۷
۴۲۔	دورِ جدید میں اسالیبِ اجتہاد کی افادیت	۴۸
۴۳۔	اہم نکات	۴۹
۴۴۔	کتب برائے مزید مطالعہ	۵۰
۴۵۔	مصادر و مراجع	۵۰

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پیش لفظ

کسی ریاست کا رائج قانون اس میں بسنے والوں کے اساسی نظریات وعقائد کا عکاس ہوتا ہے بصورت دیگر اجنبیت کے باعث نہ تو قانون اس قوم میں قبولیتِ عام کی سند حاصل کرتا ہے اور نہ قوم اس قانون کے احترام اور پاسداری میں گرمجوشی کا مظاہرہ کرتی ہے جس کا نتیجہ معاشرتی اشتات وانتشار اور بے چینی کی صورت میں نکلتا ہے۔ اگر قانون اجنبی اور مسلط کردہ ہو تو اس پر جبر کے تحت عمل ہوتا ہے اور مجبور قومیں آزاد نہیں ہوتیں۔ اجنبی قانون تو وہ قومیں اپناتی ہیں جو خود کسی دستور اور نظم قانون سے تہی دامن ہوتی ہیں۔

مسلم امہ اس لحاظ سے خوش قسمت ہے کہ دستور سازی اور قانون سازی پر اس کا علمی ورثہ بہت گراں قدر ہے۔ گزشتہ ۱۳ صدیوں سے مسلمان اہل علم کی تحریریں قانون اور اصول قانون پر دنیا بھر کی رہنمائی کر رہی ہیں۔ امام مالکؒ (م ۱۷۹ھ)' امام محمد شیبانیؒ (م ۱۸۹ھ) اور امام شافعیؒ (م ۲۰۴ھ) کی کتابیں آج بھی روشنی کا منبع ہیں۔

قرآن وسنت کے علاوہ امت مسلمہ کے قانونی اور دستوری نظام کے دو اور بھی بنیادی عناصر ہیں جن کے بغیر اسلام کا قانونی نظام نہ تو اپنی صحیح شکل وصورت میں قائم رہتا ہے اور نہ ان سے فکری غذا حاصل کیے بغیر ترقی کی منازل طے کرتا ہے۔ پہلا بنیادی عنصر اسلامی عقائد ہیں جن کی وجہ سے اہل ایمان میں فکری استحکام پیدا ہوتا ہے۔ یہ فکری استحکام ایمان ویقین کی وجہ سے اس قدر مضبوط ہوتا ہے کہ صاحب ایمان کو ہر قسم کی فکری بے راہ روی سے محفوظ کر کے حق وصداقت کی جانب گامزن رکھتا ہے۔ دوسرا بنیادی عنصر اخلاق وتزکیہ ہے۔ مکارم اخلاق کی تعلیم اور تزکیہ نفس انسان کے کردار' مزاج اور رویہ کی اصلاح کر کے اسے معاشرہ میں تہذیب وشائستگی کے اعلیٰ مقام پر فائز رکھتے ہیں۔

امت مسلمہ جب تک اپنے فقہی اور قانونی ورثہ سے وابستہ رہی اس وقت تک اس کی ترقی کی رفتار بھی تیز رہی اور عالمی قیادت میں بھی اس کا نمایاں کردار رہا اور دنیا بھر کے انسانوں کی رہنمائی کے لیے بہترین نمونہ بھی پیش کرتی رہی۔

لیکن جب مسلمانوں میں بنیادی عقائد کی تعلیم وتربیت کا نظام کمزور پڑ گیا اور اخلاقی اقدار میں ضعف پیدا ہوا، تو اس کے اثرات مسلمانوں کی سیاسی' اجتماعی اور قانونی زندگی پر بھی مرتب ہوئے۔ پھر استعماری دور میں اسلامی روایات' نظام تعلیم' قانون اور تہذیب وتمدن کو مٹانے کے لیے منظم کوششیں کی گئیں جس کے نتیجے میں برصغیر میں ملک کے اسلامی عدالتی اور تعلیمی نظام کی جگہ استعمار کے اپنے نظام نے لے لی۔ اس صورت حال نے اس پورے خطہ کو بُری طرح متاثر کیا اور بتدریج ہر شعبہ زندگی میں شر وفساد سرایت کرتا چلا گیا جس کے تباہ کن اثرات سے آج ہم دوچار ہیں۔

حضرت عمر فاروقؓ نے برحق فرمایا تھا:

نَحْنُ قَوْمٌ اَعَزَّنَا اللّٰهُ بِالْاِسْلَامِ' وَاِنِ ابْتَغَيْنَا الْعِزَّةَ بِغَيْرِهٖ اَذَلَّنَا اللّٰهُ

ہم وہ قوم ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعہ عزت بخشی اگر ہم نے اس عزت کو اسلام کے علاوہ کہیں اور سے تلاش کیا تو اللہ ہمیں ذلیل کر دے گا۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

آج مسلمانوں میں موجودہ صورت حال کو تبدیل کرنے کی تڑپ پائی جاتی ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ غیر اقوام کے قانون سے خود کو آزاد کرا کے قرآن وسنت کے نظام حیات میں دوبارہ عزت تلاش کریں۔ اسی تڑپ کے وہ مظاہر ہیں جو دنیا کے مختلف خطوں میں عالم اسلام اور عالم کفر کے مابین کشمکش کی صورت میں نظر آ رہے ہیں۔

امتِ مسلمہ کو ایسے رجال کار کی ضرورت ہے جن کی تنقیدی نظر جدید قانونی نظریات پر ہو اور جو فقہ اسلامی کے اصل مآخذ سے استفادہ پر دسترس رکھتے ہوں۔ اس کے ساتھ احکام شریعت کی اکملیت' حقانیت اور ان کے قابل عمل ہونے پر ان کا غیر متزلزل ایمان اور ان احکام کو روبہ عمل دیکھنے کی حقیقی تمنا اور لگن بھی ہو۔ ایسے رجال کار کی تیاری میں شریعہ اکیڈمی' بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی' اسلام آباد بھی اپنے قیام کے روز اوّل سے مصروف عمل ہے۔ اس سلسلے میں بیرونِ ملک کے ساتھ پاکستان میں بھی قانون دان طبقوں کے تربیتی پروگراموں کا انعقاد مسلسل جاری ہے۔ اس کے علاوہ تصنیف وتالیف کے شعبہ میں فقہ اسلامی کے مختلف موضوعات پر ''سلسلہ مباحث فقہیہ'' کی تیاری اور اردو اور انگریزی زبانوں میں تراجم کا کام بھی ہو رہا ہے۔ شریعہ اکیڈمی کے تحت مطالعہ اسلامی قانون پر ایک ابتدائی کورس کامیابی سے چل رہا ہے۔ اس ایک سالہ فاصلاتی کورس کے ذریعے اندرون اور بیرون ملک ہزاروں افراد اسلامی قانون کے مختلف پہلوؤں سے آگاہی حاصل کر چکے اور کر رہے ہیں۔

ہم نے اس ابتدائی کورس کے آغاز پر اس عزم کا اظہار کیا تھا کہ فقہ اسلامی کے مختلف موضوعات پر ''ایڈوانس کورسز'' تیار کیے جا رہے ہیں اور جلد ہی ان کو شروع کر دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے کہ اس نے ہمارے عزم کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت بخشا' ہماری راہیں آسان فرمائیں اور ہم اس قابل ہوئے کہ اصول فقہ (Islamic Jurisprudence) میں اختصاصی مطالعہ (Advance Course) کا اجراء کر سکیں۔ فاصلاتی نظام کے تحت یہ اختصاصی مطالعہ چوبیس درسی اکائیوں (Units) پر مشتمل اور ایک سالہ دورانیہ کا ہے۔

اسلامی قانون میں دیگر اختصاصی مطالعہ جات کی تیاری کا کام جاری ہے۔ ہم بارگاہِ ایزدی میں دست بدعا ہیں کہ اس نے جس طرح ہمیں اصولِ فقہ میں اس اختصاصی مطالعہ شروع کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے، اسی طرح ہمارے دیگر منصوبوں کی تکمیل میں بھی اس کا فضل وکرم شامل حال رہے گا۔ ان شاء اللہ

پاکستان بلکہ پوری ملتِ اسلامیہ پر قانون الٰہی کے غلبہ وقیادت کے لیے مطلوبہ رجال کار کی تیاری کسی ایک ادارے کا کام نہیں ہے بلکہ اس میں امتِ مسلمہ کے ہر فرد کو اپنی حیثیت کے مطابق کردار ادا کرنا ہے۔

ہم اہل علم سے ایسی تجاویز کا خیر مقدم کریں گے جو ہمارے منصوبوں کی بہتری میں مدد ومعاون ہوں۔

ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی

ڈائریکٹر جنرل

شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

تعارف

گزشتہ درسی اکائی (Unit) میں آپ ''اجتہاد اور تعبیرِ شریعت'' کے حوالہ سے ''اسلام کے نظریہ اجتہاد'' کا تفصیلی مطالعہ کر چکے ہیں۔ زیرِ نظر اکائی اس سلسلہ کا دوسرا حصہ ہے جس کا موضوع ''مناہج و اسالیبِ اجتہاد'' ہے۔ اس میں اجتہاد کے ان طریقوں پر روشنی ڈالی گئی ہے جو مسلم فقہاء کرام نے استنباطِ احکام کے دوران اختیار کیے اور جو قانون سازی کے لیے آج بھی اسی طرح مفید و ضروری ہیں جس طرح ماضی میں تھے اور آئندہ آنے والے حالات اور زمانہ میں بھی ان کی افادیت برقرار رہے گی۔ اس لیے کہ ان مناہج میں ہر دور اور ہر زمانہ کی ضرورت اور تقاضوں کو پورا کرنے کی مکمل صلاحیت موجود ہے۔

اجتہاد کے ان مناہج و اسالیب کا مطالعہ فقہ اسلامی کے اس پہلو سے آگاہی میں ممد و معاون ثابت ہوگا کہ فقہ اسلامی کوئی منجمد نظام نہیں ہے بلکہ متحرک اور وسعت پذیر اصولوں پر مبنی ایک جامع نظمِ قانون ہے۔ اس نقطہ نگاہ سے اس درسی اکائی کا مطالعہ فقہ کے طالب علم میں اجتہادی بصیرت کو تحریک دینے کا باعث بھی ہوگا۔

ہمارے قارئین کو ان درسی اکائیوں سے اجتہاد کی وسعت اور ہمہ گیری کا احساس ہو چکا ہوگا جن کا مطالعہ وہ اس سے قبل کر چکے ہیں، لیکن اس درسی اکائی میں بطور منہج و اسلوبِ اجتہاد زیرِ بحث لانا مقصود ہے۔

اس اکائی میں شامل بعض بحثیں آپ ''مصادرِ اصلیہ'' اور ''ادلہ شرعیہ'' کے ضمن میں گزشتہ اکائیوں میں تفصیل سے پڑھ چکے ہیں۔ یہاں آپ کو ان کا بظاہر تکرار محسوس ہوگا لیکن اب یہ موضوعات ''مناہج و اسالیبِ اجتہاد'' کے عنوان کے تحت ایک نئے زاویہ سے زیرِ بحث لائے گئے ہیں جس سے تکرار کے بجائے آپ کو تنوع کا احساس ہوگا۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مناہج واسالیبِ اجتہاد

تمہید

اسلامی ادب میں دین کی اصطلاح بہت جامع ہے۔ دین سے مراد ایک ایسا نظامِ حیات ہے جو ہر شعبہ زندگی کے لیے ہدایت و رہنمائی مہیا کرتا ہے۔ اس کی رہنمائی بچہ کی پیدائش سے قبل شروع ہو جاتی ہے اور مرنے کے بعد بھی جاری رہتی ہے۔ دین فرد کی رہنمائی بھی کرتا ہے اور معاشرہ کی بھی۔ لیکن فرد کی تربیت کر کے اس کی فکر، اس کے رویہ اور اس کی عملی زندگی کی اصلاح کر کے پہلے اسے ایک صالح معاشرہ کی تشکیل پر آمادہ کرتا ہے، پھر ایک بھرپور، متحرک اور تعمیری اجتماعی زندگی کے لیے معاشرہ کی رہنمائی کرتا ہے تاکہ لوگ باہم مل کر دنیا میں نیابت اور خلافت کے فرائض انجام دے سکیں۔

دین کے تین بنیادی ستون ہیں، پہلا ستون ایمان ہے جس کی بنیاد توحید، رسالت، آخرت اور اعمال کے حساب و کتاب اور جزا و سزا کے عقیدہ کے نام پر ہے۔ ایمان نام ہے تصدیقِ قلبی کا۔ دل کی گہرائیوں سے اٹھنے والی ایمان کی لہریں اندرونی کیفیات کے ساتھ ظاہری زندگی کے ہر شعبہ کو ایمان کے تقاضوں کے مطابق ڈھال دیتی ہیں۔

دین کا دوسرا اہم ستون تزکیہ نفس و تہذیبِ اخلاق ہے۔ ایمان اور فضائلِ اخلاق کا اتنا گہرا ربط ہے کہ انہیں ایک دوسرے سے الگ کرنا ممکن نہیں۔ انسانی فکر اور رویہ کی اصلاح شعوری ایمان اور تزکیہ نفس و تہذیب اخلاق کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد اخلاق کی تکمیل ہے۔ آپ نے اپنے صحابہ کرامؓ میں اعلیٰ اخلاقی اقدار کو اس قدر مستحکم و اجاگر فرمایا کہ اس دور میں کوئی دوسری قوم اخلاقیات میں ان کی ہم پلہ نہیں رہی تھی۔

تیسرا بنیادی ستون اعمالِ صالحہ ہیں۔ اعمال صالحہ میں عبادات، معاملات، تعلیم و تعلم، دعوت و ارشاد، معاشرت، عدل و قضاء، نظمِ مملکت و حکومت اور بین الاقوامی تعلقات وغیرہ شامل ہیں۔

جو شخص دین حنیف کی ان تینوں بنیادوں کا احاطہ کر لیتا ہے اسے دین کا فہم حاصل ہو جاتا ہے۔ دین کے اسی مجموعی فہم کا نام فقہ ہے۔ یہ ان اہلِ ایمان کو حاصل ہوتا ہے جو تزکیہ اور احسان کے مرحلہ سے گزر کر قرآن و سنت کے معارف و حکم کو سمجھتے ہیں۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

قرآن حکیم کی آیت مبارکہ میں اسی فہم دین کی طرف اشارہ ہے:

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ [التوبۃ ۹:۱۲۲]

کیوں نہ ایسا ہو کہ ہر گروہ میں سے کچھ لوگ نکل کھڑے ہوں تا کہ وہ دین کا فہم اور بصیرت حاصل کریں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک سے بھی فقہ کا یہ مفہوم سمجھ میں آتا ہے:

مَنْ يُرِدِاللّٰهُ بِهٖ خَيْراً يُفَقِّهْهُ فِىْ الدِّيْنِ

اللہ تعالیٰ جسے خیر عطا کرنا چاہتے ہیں اسے دین کا فہم وبصیرت عطا فرما دیتے ہیں۔

دین کا فہم رکھنے والے حضرات میں کچھ لوگ اپنی وسعت علمی اور ذہانت وفراست کی وجہ سے نمایاں مقام حاصل کر لیتے ہیں۔ ان میں استدلال واستنباط کی عمدہ صلاحیت ہوتی ہے۔ یہ لوگ شریعت کی اصطلاح میں مجتہد کہلاتے ہیں۔ اپنے علم اور استدلالی صلاحیتوں کی بنا پر یہ لوگ کسی بھی دور میں درپیش مسائل کا حل قرآن وسنت کی تعلیمات میں دی گئی اصولی ہدایات اور قواعد وکلیات کی روشنی میں طے کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

اجتہاد کا مفہوم

دین میں اجتہاد کوئی نئی چیز پیدا کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ نئے پیدا ہونے والے مسائل کے بارے میں دین کا رویہ یا نقطہ نگاہ دریافت کرنے کا نام ہے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی نے مالکی فقیہ ابن العربی کی یہ عبارت نقل کی ہے:

> شریعت میں جس اجتہاد کا اعتبار ہے وہ کتاب اللہ یا سنت سے دلیل تلاش کرنے میں جدوجہد کرنا ہے۔ اجماع یا عربی زبان کے محاورات کی رہنمائی میں خاص مسئلہ میں کسی ایسے حکم کو ثابت کرنا جو اس دلیل سے پیدا ہوتا ہو جس کی تلاش میں آپ نے کوشش کی اور اپنے خیال میں اس حکم کا علم اسی دلیل سے آپ کو حاصل ہوا ہو، بس اسی کا نام اجتہاد ہے(۱)۔

عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے دور میں اجتہاد کے مفہوم میں بڑی وسعت تھی اور اجتہاد تمام شعبہ ہائے زندگی پر محیط تھا۔ مسائل کا تعلق خواہ معاشرتی زندگی سے ہو یا سیاسی امور سے، معاشیات سے ہو یا قانونی اور دستوری امور سے، جہاں بھی نصوص خاموش ہوں وہاں اجتہاد کا اطلاق ہوگا اور کسی جمود کے بغیر ارتقاء کا عمل جاری رہے گا۔

ماوردیؒ (م ۴۵۰ھ) کی عبارت میں اس بات کا واضح اشارہ ملتا ہے۔ ان کے نزدیک اجتہاد کا مفہوم ان الفاظ میں ہے: هو طلب الصواب بالإمارات الدالة عليه (۲)۔ یعنی اجتہاد قرائن اور دلائل کے ذریعہ صحیح بات کو پا لینے کا نام ہے۔ حنفی مکتب فکر کی

۱۔ مقدمہ تدوین فقہ ص ۳۲

۲۔ ماوردی، ادب القاضی ۱/۴۹۰

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

صول فقہ کی معروف کتاب "اصـــــول البـــــزدوی" کے شارح عبدالعزیز بخاریؒ (م۷۳۰ھ) نے بعینہ اس تعریف کو قبول کیا ہے(۳)۔ان کے نزدیک بھی اجتہاد کا یہی مفہوم ہے۔فخر الاسلام بزدوی کے شارح نے یہ تعریف غالباً ماوردی ہی سے اخذ کی ہے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مکاتب کے اختلاف کے باوجود فقہاء ایک دوسرے سے استفادہ کرتے تھے۔

آغاز میں فقہاء کی ایک جماعت اجتہاد میں وسعت کے نقطہ نگاہ کی حامل رہی ہے- ان کے نزدیک زندگی کے ہر شعبہ میں اجتہاد کا عمل جاری وساری رہنا چاہیے- بعد کے فقہاء میں بھی ایسے اہل علم رہے ہیں جنہوں نے اجتہاد کے اسی تصور کو اپنایا ہے۔

مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ نے اجتہاد کے بارے میں شاہ اسماعیل شہیدؒ کی وضع کردہ تعریف نقل کی ہے، وہ بھی اس رائے کی تائید فرماتے ہیں:

> ہمارے نزدیک اجتہاد فقہ کے اصطلاحی مفہوم میں ہی منحصر نہیں ہے بلکہ اس میں وسعت ہے اور ہر فن کو محیط ہے- البتہ ہر فن کے ماہرین کا اپنا منہج واسلوب ہوگا کہ جن چیزوں کے بارے میں نصوص خاموش ہیں انہیں (کن قواعد واصول کے ذریعہ) واضح احکام کے تحت لایا جاسکتا ہے(۴)۔

متقدمین کی تحریروں میں بھی اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے۔مثلاً فخر الاسلام بزدویؒ کا یہ کہنا کہ ''غالب رائے کے ذریعہ صحیح بات تک پہنچنا''(۵) یا سیف الدین آمدیؒ کی اجتہاد کی تعریف کو دیکھیے: اجتہاد اس مقدور بھر کوشش کا نام ہے جو مجتہد کسی امر شرعی کے بارے میں رائے قائم کرنے میں صرف کرتا ہے کہ اس سے زیادہ محنت اس کے بس میں نہ ہو(۶)۔ان تعریفوں میں اجتہاد کی وسعت کو پوری طرح محسوس کیا جاسکتا ہے۔

مجتہد کی یہ محنت وکاوش ہر اس مسئلہ کے بارے میں ہوسکتی ہے جس سے متعلق کوئی نص موجود نہ ہو اور فقیہ اس میں شریعت کا نقطہ نگاہ جاننے کی کوشش کرے اور اپنی قائم کردہ رائے اپنے دلائل کے ساتھ پیش کردے۔

اجتہاد کے سلسلے میں ایک نقطہ نگاہ تحدید کا بھی رہا ہے۔وہ یہ ہے کہ اجتہاد کو صرف فقہی مسائل تک محدود کردیا جائے۔برصغیر کے علماء کا زیادہ رجحان اسی تصور کی طرف رہا ہے۔

تصورِ اجتہاد کا آغاز

عہدِ رسالت میں اجتہاد کا تصور ہجرت کے پانچویں سال ظاہر ہوا۔یہ وہ زمانہ تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی

۳۔ کشف الاسرار ۳/۲۰

۴۔ مقدمہ تدوین فقہ ص۴۰

۵۔ کشف الاسرار ۳/۲۴

۶۔ آمدی،الإحکام فی اصول الأحکام ۴/۱۶۹

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بنیادی تعلیم وتربیت کا کام مکمل کرلیا تھا۔ سب سے اہم کام اسلامی عقائد کی تعلیم اور دل ودماغ میں انہیں خوب راسخ کرنا تھا۔ ساتھ ہی اعلیٰ اخلاقی قدروں کو اجاگر کرنا اور قلب ونفس کا تزکیہ کرنا تھا۔ یہ کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکی دور میں آغاز وحی سے شروع کر دیا تھا اور ایمان قبول کرنے والوں کے قلوب کا تزکیہ منشاء الٰہی کے مطابق فرما دیا تھا۔ تزکیہ کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنی خواہشات نفس سے دست بردار ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنالے۔ اپنے قلب کو اخلاص، صبر، شکر، توکل اور تقویٰ سے مزین کرلے۔ ایسے ہی افراد فکری گمراہیوں اور عملی نجاستوں سے بچ سکتے ہیں۔

۵ھ تک اسلامی معاشرہ سرزمینِ حجاز سے نکل کر دور دراز علاقوں میں پھیل گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے قیام اور مسلمانوں کے امور کی نگرانی کے لیے اُن علاقوں میں اپنے تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ کو انتظامی اور عدالتی ذمہ داریاں سپرد کیں۔ اجتہاد کی ضرورت بھی اسی وقت محسوس کی گئی کہ اگر لوگوں کو ایسے مسائل پیش آجائیں جن کے بارے میں قرآن وسنت خاموش ہوں تو انہیں قرآن وسنت کی دی ہوئی اصولی ہدایات کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کی جائے۔ درپیش مسئلہ سے متعلق شریعت کا نقطہ نگاہ جاننے کے لیے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر کسی نتیجہ تک پہنچنے کی سعی کی جائے۔

اجتہاد کا ثبوت

اجتہاد کے ثبوت میں سب سے اہم نص حدیث حضرت معاذ بن جبلؓ ہے۔ یہ حدیث محدثین کے علاوہ اصولِ فقہ کے تمام ائمہ نے نقل کی ہے، خواہ ان کا تعلق حنفی مکتب سے ہو یا مالکی مکتب سے، وہ شافعی مسلک سے وابستہ ہوں یا حنبلی مذہب سے، حدیث حضرت معاذ بن جبلؓ سب کے ہاں مقبول ومشہور ہے۔ اس حدیث کا آخری حصہ براہِ راست اجتہاد سے متعلق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سوال پر کہ اگر تمہیں قرآن وسنت میں درپیش کسی مسئلہ کا حل نہ ملے تو کیا کرو گے؟ حضرت معاذؓ نے جواب دیا: اجتهد برأی ولا آلو۔ ''میں ایسی صورت میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور غور وفکر کے ذریعہ کسی نتیجہ تک پہنچنے میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا''۔ اس جواب پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشی اور اطمینان کا اظہار فرمایا اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو اس قسم کی صورت حال میں اجتہاد کے ذریعہ مسائل حل کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی (۷)۔

اجتہاد کے ثبوت میں دوسری حدیث حضرت عمرو بن العاصؓ کی وہ مشہور روایت ہے جسے صحاح ستہ کے تمام محدثین نے نقل کیا ہے، وہ حدیث یہ ہے:

اذا حكم الحاكم فاجتهد فاصاب فله اجران و اذاحكم فاجتهد فا خطأ فله اجرٌ(۸)

۷۔ سنن ابی داؤد، کتاب القضاء، باب اجتهاد الرأی فی القضاء ۳/۷۸

۸۔ سنن ابی داؤد، کتاب القضاء، باب فی القاضی یخطی ۳/۷۲

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

جب کوئی حاکم فیصلہ کرتا ہے اور فیصلہ کرنے سے پہلے زیرِ غور مسئلہ میں خوب غور و فکر (اجتہاد) کر لیتا ہے (ہر پہلو سے اس کا جائزہ لے لیتا ہے) اور صحیح نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے تو وہ دوہرے اجر کا مستحق قرار پاتا ہے اور اگر وہ اجتہاد کرتا ہے اور غلطی سرزد ہو جاتی ہے تو اسے ایک اجر ملتا ہے۔

محدثین نے اس حدیث کو تین اہم اصطلاحات کے ساتھ نقل کیا ہے۔ حاکم، قاضی اور عامل (گورنر، سربراہ صوبہ)۔ یہ تینوں عہدے اسلامی معاشرہ میں عدالتی اور انتظامی ذمہ داریوں کے لیے اہم مناصب ہیں۔ امام بخاریؒ نے مختلف ابواب میں تینوں اصطلاحات استعمال کی ہیں۔ اس طرح وہ اس بات کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ مسلم معاشرہ میں اہم عدالتی اور انتظامی عہدوں پر اپنے علم اور کردار کے لحاظ سے اجتہاد کی اہلیت رکھنے والے افراد کو فائز ہونا چاہیے تاکہ مشکل یا نئے مسائل کو وہ اپنی اجتہادی بصیرت سے حل کر سکیں۔

اس بحث کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اجتہاد کا حق صرف اعلیٰ حکام اور عدالتی اختیارات کے حامل افراد ہی کو ہے۔ انہیں تو یہ حق اس لیے حاصل ہے کہ ان کے پاس تنفیذی اختیارات ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے فیصلوں پر عمل درآمد کرا سکتے ہیں۔ لہٰذا انہیں اجتہاد کی شرائط کا حامل ہونا چاہیے، ورنہ اجتہاد کا حق تو ان تمام اہلِ علم حضرات کو حاصل ہے جو اجتہاد کی اہلیت رکھتے ہیں۔ قرآن حکیم اور سنتِ نبوی نہ صرف حصولِ علم ہر فرد کے لیے فرض قرار دیتے ہیں بلکہ آفاق و انفس اور انسانوں کے عروج و زوال کی تاریخ میں غور و فکر کی دعوت بھی دیتے ہیں۔ حالات و واقعات کے پس پردہ جو اسباب و علل کارفرما ہیں ان کے ذریعہ نتائج حاصل کرنا یا علامات و آثار سے استدلال و استنباط کرنا ذہنی اور فکری ارتقاء کا سبب ہوتا ہے، لہٰذا یہ بھی اسلامی تعلیمات میں مطلوب و مقصود ہے۔ مسلم معاشرہ کے ہر فرد کو ذہنی و فکری ارتقاء (Intellectual Development) کے تمام مواقع میسر ہونے چاہییں۔ عقل و ذہانت کے استعمال کے لیے جتنے بھی اہم الفاظ ہو سکتے ہیں قرآن کریم نے انہیں استعمال کیا ہے۔ مثلاً تفقہ، تدبر، تفکر، تعقل، نظر و فکر، فہم، استدلال اور استنباط وغیرہ اور اسی طرح آیات و علامات کے ذریعہ نتائج حاصل کرنے کی بھی پُرزور دعوت دی ہے۔ ان سب کا مقصد یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ کا ہر فرد علمی، ذہنی اور فکری لحاظ سے اقوامِ عالم سے بلند و نمایاں رہے۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بات کی وضاحت کر دی جائے کہ اجتہاد بالرائے کی صورت میں وحی الٰہی اور عقلِ انسانی دونوں کا امتزاج ہوتا ہے۔ انسانی ذہانت جس قدر وحی الٰہی سے ہم آہنگ ہوگی، خطاء اور غلطی کا امکان بھی اسی قدر کم ہوگا۔ ان دونوں میں جس قدر بُعد ہوگا، غلطی کا امکان بھی اتنا ہی بڑھ جائے گا۔ غلطی کے اس امکان کو کم کرنے کے لیے فقیہ و مجتہد کو تزکیہ نفس اور احسان کے عمل سے گزرنا ضروری ہے۔ تزکیہ نفس انسان کو فکری (اعتقادی) اور عملی نجاستوں سے پاک کر کے قلبِ انسانی کو اس قدر منور کر دیتا ہے کہ وہ وحی الٰہی کا صحیح اور عمیق فہم حاصل کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ قرآن حکیم نے اسی لیے تلاوتِ کتاب اور تعلیمِ کتاب و حکمت کے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

درمیان تزکیہ نفس کو رکھا ہے۔ کتاب اللہ کے علوم اور اس کی حکمتوں تک انسان کی رسائی تزکیہ واحسان کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن صحابہ کرامؓ کو قاضی، حاکم یا عامل مقرر کیا تھا یہ وہ حضرات تھے جن کی تعلیم وتربیت خود آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیرِ نگرانی ہوئی تھی۔ صحابہ کرامؓ نے عہدِ رسالت میں قرآن کریم کے احکام کی تطبیق وتنفیذ کے سارے عمل کا مشاہدہ کیا تھا۔ ان کے فہم دین، ذہانت اور فراست پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اعتماد تھا۔ یہ لوگ اجتہاد کی پوری صلاحیت رکھتے تھے۔

ہمارے فقہاء نے اثباتِ اجتہاد کے لیے بہت ذہانت کے ساتھ قرآن حکیم سے بھی استدلال کیا ہے۔ مثلاً امام شافعیؒ سورۃ البقرہ کی آیت سے استدلال کرتے ہیں:

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۔ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ [البقرۃ ۲:۱۵۰]

تم جہاں سے بھی نکلو (نماز پڑھنے کی صورت میں) اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کرلیا کرو، اور تم جس جگہ بھی ہو اپنا رخ اسی مسجد کی طرف کیا کرو۔

حالتِ سفر میں جب انسان ایسے مقام پر ہو جہاں قبلہ کی صحیح سمت معلوم نہ ہو تو نماز پڑھنے سے قبل قبلہ کا رخ جاننے کے لیے کائنات میں موجود کچھ علامات کو دیکھ کر اور اپنے تمام حواس کو استعمال کرکے یہ جاننے کی کوشش کرنا چاہیے کہ قبلہ کس طرف ہوسکتا ہے۔ چاند اور سورج کی حرکت یا ستاروں کی گردش کو دیکھ کر یہ پتہ چلانا چاہیے کہ بیت اللہ کس جہت میں واقع ہے۔

قرآن کریم میں ہے:

وَعَلٰمٰتٍ ۔ وَ بِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ [النحل ۱۶:۱۶]

اور راہوں میں اللہ تعالیٰ نے نشانات بنادیے ہیں۔ اور لوگ ستاروں سے بھی راستے معلوم کرتے ہیں۔

ان علامات اور سیاروں کی گردش کے مطالعہ اور اپنی عقل وذہانت کے استعمال کے نتیجہ میں جس جہت پر اطمینانِ قلب ہو جائے انسان اسی طرف منہ کرکے نماز پڑھ لے۔ جہتِ قبلہ معلوم کرنے کا یہ سارا عمل امام شافعیؒ کی رائے میں اجتہاد کی ایک صورت ہے۔ قرآن حکیم کی ایک اور آیت بھی اجتہاد کے حق میں پیش کی جاتی ہے:

فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ [الحشر ۵۹:۲]

پس عبرت حاصل کرو، اے آنکھیں رکھنے والو!

اس آیت مبارکہ کے شانِ نزول اور سیاق وسباق سے پتہ چلتا ہے کہ ان آیات میں یہودیوں کے ایک قبیلہ کی بدعہدی اور وعدہ خلافی کی طرف اشارہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے باقاعدہ معاہدہ کیا تھا لیکن اس قبیلہ (بنونضیر) نے غزوہ احد

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

میں جب یہ دیکھا کہ مسلمانوں کو خاصا نقصان پہنچا ہے تو انہوں نے قریش مکہ سے خفیہ رابطے شروع کر دیئے اور مسلمانوں کے خلاف ان کی مدد کرنے کا عہد کر لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان کی بدعہدی کا علم ہوا تو انہیں مدینہ منورہ سے نکل جانے کا حکم دیا۔

مفسرین اور فقہاء اعتبار کا مفہوم یہ بیان کرتے ہیں: کسی شے کو اس کی نظیر کی طرف لوٹانا، یعنی جو حکم اس کی نظیر کا ہے وہی حکم اس شے کا قرار دینا۔

استدلال واستنباط کا ایک اسلوب یہ بھی ہے کہ نظائر واشباہ کو بنیاد بنا کر نتائج اخذ کیے جائیں۔ اسی طرح تاریخی واقعات اور قوموں کے عروج وزوال کے واقعات محض قصے اور کہانیوں کے طور پر نہ پڑھے جائیں بلکہ ان تمام واقعات میں پنہاں اسباب وعلل کا کھوج لگا کر صحیح نتائج تک پہنچنے کی کوشش کی جائے۔ تاریخ کے ہر واقعہ میں درسِ عبرت پنہاں ہوتا ہے۔ دانش مندی کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اس سے نصیحت حاصل کر کے اپنی زندگی کو ان برائیوں سے روکا جائے جن میں ماضی کی اقوام مبتلا تھیں اور جن کی وجہ سے ان کا زوال ہوا تھا۔ ان قدروں اور خوبیوں کو اپنانا چاہیے جن کی وجہ سے قوموں کو عروج واستحکام حاصل ہوتا ہے۔ یہ صاحب بصیرت عالم اور مجتہد کا کام ہے کہ وہ صحیح اسباب وعلل کا کھوج لگائے، ان کا تجزیہ کرے اور نتائج حاصل کرنے کے لیے استدلال واستنباط سے کام لے۔

اجتہاد کے ثبوت میں قرآن حکیم کی تیسری آیت یہ پیش کی جاتی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا [النساء ۴: ۵۹]

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرو، اور ان کی بھی جو تم میں سے تمہارے معاملات کے ذمہ دار ہوں۔ پھر اگر کسی معاملہ میں تنازعہ ہو جائے تو اس معاملہ کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹا دو، اگر تم اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ طریقہ بہت اچھا ہے اور اس رجوع کا انجام بہتر ہے۔

اس آیت مبارکہ میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں ان کے درمیان باہم اختلاف اور تنازعہ پیدا ہو جائے تو اس معاملہ کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹا دیں، یعنی اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی طرف رجوع کریں، کیوں کہ یہی اصل اور بنیادی مآخذ ہیں۔ اہلِ ایمان میں تنازعہ اسی مسئلہ پر ہو سکتا ہے جس سے متعلق قرآن وسنت میں کوئی صریح حکم موجود نہ ہو۔ اگر ایسی صورت پیش آ جائے تو اہلِ علم کو چاہیے کہ وہ اس کا حل قرآن وسنت کی دی ہوئی اصولی ہدایات میں تلاش کریں۔ اشباہ ونظائر بھی قرآن وسنت میں ملیں گے اور اصول وقواعد بھی۔ ان میں غور وفکر کریں اور قیاس واجتہاد کے ذریعہ درپیش مسئلہ کا حل تلاش کریں۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

قرآن کریم اولوالامر کو استدلال واستنباط کے ذریعہ صحیح نتائج تک پہنچنے کی بھی ہدایت کرتا ہے:

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِالْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ۔ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ [النساء ۴:۸۳]

اور جب ان کے پاس امن یا خوف (جنگ) کی کوئی خبر پہنچتی ہے تو وہ (منافقین) اسے پھیلا دیتے ہیں حالاں کہ اگر وہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے اولوالامر تک پہنچا دیتے تو ان میں استنباط کرنے والے لوگ حقیقت کو پالیتے۔

اس آیت مبارکہ میں استنباط کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے لغوی معنی ہیں: زمین سے پانی نکالنا اور محنت وتحقیق کے ساتھ کسی چیز کو دریافت کرنا۔ آیت مبارکہ میں متنبہ کیا جارہا ہے کہ دشمن امن و جنگ سے متعلق افواہیں پھیلا کر اپنا مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس قسم کی خبریں جب دشمن کی طرف سے پھیلائی جائیں تو عام لوگوں کو چاہیے کہ وہ محتاط رہیں۔ ان افواہوں کی اشاعت میں حصہ نہ لیں، بلکہ ذمہ دارانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے حکومتی اداروں کو ان افواہوں سے آگاہ کریں تاکہ ان میں استنباط کرنے اور نتائج اخذ کرنے کی صلاحیت والے لوگ حقائق کا پتہ چلا کر صحیح ردِعمل کا اظہار کرسکیں۔ دلائل کو سامنے رکھ کر اور حالات وآثار کا جائزہ لے کر شریعت کے کسی مخفی حکم کو ظاہر کرنا، واقعات کو اس کے سارے پس منظر میں پرکھنا اور محرک قوتوں کے مقاصد وعزائم کو سمجھنے کی کوشش کرنا ایک استدلالی انداز ہے جو اجتہاد ہی کا ایک اسلوب ہے۔

قیاس: اجتہاد کا ایک اہم منہج

فقہاء کرام نے اجتہاد کے مختلف اسالیب پر گفتگو کی ہے۔ ان میں سب سے مستحکم اور محفوظ اسلوب ''قیاس'' ہے۔ فقہاء کرام نے اپنے ذوق اور اپنے دور کی تہذیبی وتمدنی اور زمانی ضروریات کو مدِنظر رکھتے ہوئے قیاس کی تعریف میں مختلف تعبیریں اختیار کی ہیں۔ ان تعریفات میں قاضی ابوبکرؒ کی تعریف کو اکثر فقہاء نے قبول کیا ہے:

ایک امرِ معلوم کو دوسرے امرِ معلوم پر اس طرح محمول کرنا کہ دونوں کے لیے ایک ہی حکم یا صفت کو ثابت کیا جاسکے یا اس حکم یا صفت کی نفی کی جاسکے، بشرط یہ کہ دونوں معلوم امور کے درمیان کوئی چیز بحیثیت جامع موجود ہو(۹)۔

یہ تعریف اگرچہ جامع ہے لیکن مشکل ہے۔ ابوبکر جصاص نے زیادہ آسان الفاظ میں تعریف کی ہے۔ یعنی کسی شی (منصوص) کی نظیر پر اشتراکِ علت کی وجہ سے وہ حکم لگایا جائے جس کا تقاضا وہ علت کرتی ہے۔ یعنی اس مشترکہ علت کا تقاضا یہ ہو کہ فرع پر بھی وہی

۹۔ نفائس الاصول فی شرح المحصول ۳۶/۴

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

حکم لگایا جائے جو حکم اصل کا ہے(۱۰)۔

دونوں فقہاء اصل اور فرع میں مشترکہ علت کو ضروری قرار دیتے اور اس مشترکہ علت کی وجہ سے اصل کے حکم کو نئے پیش آمدہ مسئلہ پر بھی لاگو کرتے ہیں اس لیے کہ فرع سے ملتی جلتی نظیر نص میں موجود ہوتی ہے۔قاضی ابوبکر کی تعریف میں امرِ جامع سے مراد وہ علت ہے جو اصل وفرع دونوں میں مشترک ہو۔

ماوردیؒ نے اس سے بھی زیادہ آسان اور جامع تعریف کی ہے: فرع کو (حکم میں) اصل کے ساتھ ملا دینا، اس لیے کہ فرع میں وہی علت پائی جاتی ہے جو اصل میں موجود ہے(۱۱)۔

شمس الائمہ سرخسیؒ نے قیاس کی مختصر مگر جامع تعریف کی ہے: قیاس عبارت ہے اس چیز سے کہ شے (یعنی کسی مسئلہ کو) اس کی نظیر کی طرف لوٹا دیا جائے(۱۲)۔

اس تعریف میں امام سرخسیؒ نے علت کا صراحتاً ذکر نہیں کیا لیکن یہ واضح ہے کہ ایک چیز دوسری چیز کے لیے اسی وقت نظیر قرار پاتی ہے جب دونوں میں کوئی چیز مشترک ہو۔اس تعریف کی رو سے علتِ جلی اور علتِ خفی دونوں کا احاطہ ہوسکتا ہے۔

ان تمام تعریفات پر غور وفکر کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ تمام فقہاء کا مدعا ایک ہی ہے، وہ یہ کہ ہر دور اور ہر زمانہ میں نئے پیش آنے والے مسائل کا حل تلاش کرنے کے لیے استنباط واستدلال میں احتیاط کا پہلو ملحوظ رکھا جائے۔اس لیے کہ کسی شرعی حکم کو قیاس کے ذریعہ ثابت کرنے میں انسانی ذہانت اور فکر کام کرتی ہے، انسانی فکر میں خطاء کا امکان ہوتا ہے بالخصوص ان احکام میں جن کی علتوں کو نصوص نے واضح طور پر ذکر نہیں کیا۔وہاں مجتہد خود غور وفکر کر کے علت تلاش کرتا ہے۔چناں چہ اصل اور فرع دونوں میں اشتراکِ علت قیاس کے لیے ضروری ہے۔اس علت کی بنا پر مجتہد اصل (منصوص) کے حکم کو فرع پر لاگو کرتا ہے۔

اشباہ ونظائر کو سامنے رکھ کر قیاس کرنے اور اس کے ذریعہ فیصلہ طلب معاملات کو حل کرنے کا حکم حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ حکومت میں قاضیوں کو دیا تھا۔حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے نام مشہور خط میں حضرت عمرؓ نے لکھا:

الفهم الفهم فيما يتلجلج في صدرك مما ليس فيه قرآن ولا سنّة واعرف الاشباه والأمثال، ثم قس الامور بعد ذالك، ثم اعمد لأحبّها الى الله واشبهها بالحق فيما ترى(۱۳)۔

۱۰۔ جصاص، الفصول فی الاصول ۲/۲۰۰

۱۱۔ ماوردی، ادب القاضی ۱/۴۹۰

۱۲۔ اصول السرخسی ۲/۱۲۲

۱۳۔ اعلام الموقعین ۱/۸۶۔الوثائق السیاسیۃ ص ۴۲۸

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جو مسئلہ تمہارے دل میں کھٹک رہا ہو اور قرآن وسنت میں اس کے بارے میں کچھ نہ ہو تو اسے خوب اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کرو، اس کے نظائر وامثال (جو نصوص میں موجود ہوں) انہیں اچھی طرح جاننے کی کوشش کرو، پھر نئے امور کو ان پر قیاس کرو، پھر جو اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہو اور حق کے زیادہ قریب ہو، اسے اختیار کرو۔

قیاس کی جو تعریفیں اوپر بیان ہوئی ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ فقہاء کے ہاں قیاس کے منہج میں علت کو نمایاں حیثیت حاصل ہے، اس لیے علت کی مختصر اوضاحت ضروری ہے۔ فقہاء کے نزدیک علت کسی حکم سے متعلق وہ خارجی وصف ہے جو اس حکم کے وجود میں مؤثر ہو۔ فروعی مسائل میں حکم کا مدار علت کے وجود پر ہوتا ہے۔ اگر وہ علت جس کا تعین اصل مسئلہ (مقیس علیہ) میں کیا جا چکا ہے، فرعی مسئلہ (مقیس) میں پائی جائے تو جو حکم اصل مسئلہ کا تھا وہی حکم اس علت کی بنا پر فرعی مسئلہ پر بھی لاگو ہوگا۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ فقہاء جب قیاس کے منہج میں علت کو اہمیت دیتے ہیں تو یہاں علت سے مراد شرعی علت ہے، محض ظنی علت مراد نہیں ہے۔

علت کے تعیین میں فقہاء کو تین مراحل سے گزرنا ہوتا ہے: پہلا مرحلہ تخریج مناط کہلاتا ہے۔ تخریج مناط یہ ہے کہ قرآن وسنت میں مذکور حکم کی اصل علت کو تلاش کرنا۔ اس صورت میں فقیہ ان تمام اوصاف کی نشاندہی کرتا ہے جو علت بن سکتے ہوں۔ اس کے بعد دوسرا مرحلہ تنقیح مناط کہلاتا ہے۔ اس صورت میں فقیہ ان تمام اوصاف کو نقد وتجزیہ کے بعد چھانٹ کر الگ کر دیتا ہے جو حقیقتاً علت نہیں بن سکتے اور اس وصف کا تعیین کرتا ہے جو علت بن سکتی ہے۔ تیسرا مرحلہ تحقیق مناط کہلاتا ہے جس میں اصل مسئلہ میں جو علت متعین ہوئی ہو اسے فرعی مسئلہ یعنی مقیس میں تلاش کرنا اور اس علت کے پائے جانے پر اصل کا حکم فرع پر نافذ کرنا۔

قیاس اور شرحِ صدر

اوپر ذکر ہو چکا کہ فقیہ وہ ہوتا ہے جسے دین کا گہرا فہم اور ادراک ہو، اور یہ بات بھی بیان کی جا چکی ہے کہ دین کا فہم وادراک اس وقت حاصل ہوتا ہے جب دین کے تینوں شعبوں عقائد، تزکیہ نفس وتہذیب اخلاق اور عملِ صالح کا علمی طور پر مکمل ادراک ہو اور عملی زندگی بھی علم وفکر کے مطابق ڈھل چکی ہو۔ جب ایک فرد اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے اور اس کی ذات وصفات اور اس کے حقوق کی معرفت حاصل کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے قلب میں نور پیدا فرما دیتے ہیں۔ پھر وہ ایمان کے ساتھ جوں جوں تزکیہ نفس، احسان اور تہذیب اخلاق کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو یہ نور بڑھتا جاتا ہے۔ اس طرح جب وہ اپنی ساری عملی زندگی کو دین کی تعلیمات کے مطابق ڈھال لیتا ہے اور حرام ومشتبہات سے اجتناب کرتا ہے تو اعمالِ صالحہ کی وجہ سے مومن کا قلب مزید منور ہو جاتا ہے۔ اس تنویرِ قلبی سے اطمینان اور سکون کی وہ کیفیت پیدا ہوتی ہے جسے قرآن کریم کی اصطلاح میں شرحِ صدر کہا جاتا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۔ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۔ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ [الزمر ۳۹:۲۲]

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سو جس شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا وہ اپنے رب کے نور پر چل رہا ہے (کیا وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کو شرح صدر نہ ہوا ہو؟) لہٰذا بڑی تباہی ہے ان لوگوں کے لیے جن کے دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل (سخت) ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں۔

شرحِ صدر کے مقابلہ میں قلبِ انسانی کی دو کیفیتیں ہوتی ہیں: ایک ضیقِ صدر یعنی تنگ دل ہونا یا قلب و نگاہ کا تنگ ہونا اور دوسری قساوتِ قلب۔ ضیقِ صدر کی ابتدائی کیفیت میں اس بات کی گنجائش ہوتی ہے کہ حق کسی نہ کسی طرح اس کے دل میں نفوذ کر جائے اور اسے توبہ کی توفیق ہو جائے، لیکن جب ضیقِ صدر بڑھ کر انتہائی مرحلہ میں داخل ہو جائے ہدایت کی توفیق مشکل سے ہوتی ہے:

وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ [الانعام ۶:۱۲۵]

اور جس کو چاہتا ہے کہ گمراہ ہو جائے اس کے سینہ کو خوب تنگ کر دیتا ہے، گویا کہ وہ آسمان کو چڑھ رہا ہے۔

اس آیت میں ضیقِ صدر شرحِ صدر کے مقابلہ میں استعمال ہوا ہے اور یہاں ضیقِ صدر کی انتہائی کیفیت بیان کی گئی ہے۔

دوسری کیفیت قساوتِ قلب (سخت دل ہونا یا دل کا پتھر ہونا) ہے۔ اوپر درج آیت میں شرحِ صدر بالمقابل قساوتِ قلب آیا ہے۔ قساوتِ قلب میں مبتلا شخص ایسی صریح گمراہی میں گرفتار ہوتا ہے جس سے نکلنے اور ہدایت پانے کے آثار کم ہوتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ آیت تلاوت فرمائی تو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرحِ صدر کا مطلب پوچھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب نورِ ایمان انسان کے قلب میں داخل ہوتا ہے تو اس کا قلب وسیع ہو جاتا ہے (جس کی وجہ سے احکامِ الٰہیہ اور اس کی حکمتوں کو سمجھنا اور ان پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے)۔ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس شرحِ صدر کی علامت کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الانابة الى دارالخلود والتجافي عن دارالغرور والاستعداد للموت قبل نزوله

ہمیشہ باقی رہنے والے گھر (دارالخلود) کی طرف رغبت و استقامت اور اس فانی دنیا (دارالغرور) سے بے التفاتی اور موت آنے سے پہلے اس کی تیاری کرنا (۱۴)۔

شمس الائمہ سرخسیؒ سورۃ الزمر کی مذکورہ آیت قیاس کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ اہلِ ایمان کو چاہیے کہ وہ آیاتِ الٰہی میں غور و فکر کرتے رہا کریں۔ قرآن حکیم میں بار بار اس کائنات میں اور خود اپنی ذات میں غور و فکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے، کیوں کہ آفاق و انفس دونوں میں بڑی نشانیاں ہیں۔ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱۴۔ الجامع لأحكام القرآن ۱۵/۲۱۶

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَلَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ.وَسَخَّرَلَكُمْ مَّافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ. اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ[الجاثیہ ۴۵: ۱۲-۱۳]

اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمہارے لیے سمندر کو مسخر کر دیا تا کہ اس کے حکم سے اس میں جہاز چلیں اور تم اس کا فضل (معاش) تلاش کرو اور تا کہ تم شکرگزار بنو، اور آسمان وزمین کی ہر چیز کو اس نے اپنی طرف سے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے۔ یقیناً غور وفکر کرنے والوں کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔

سورۃ الروم کی ابتدائی اٹھائیس آیات کا مطالعہ کیجئے۔ ان میں اللہ تعالیٰ نے انسان اور انسانوں کی معاشرتی زندگی، قوموں کے انجام، کائنات اور مظاہر کائنات، موت کے بعد کی زندگی اور وحی الٰہی میں فکر وتدبر کی دعوت بہت پرزور اور مؤثر انداز میں دی ہے اور بار بار کہا ہے کہ ان میں غور وفکر کرنے والوں اور عقل سے کام لینے والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں (۱۵)۔

شرح صدر جس کا مطلب وسعتِ قلبی ہے، اس وسعتِ قلب ونظر سے انسان میں یہ استعداد پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ اپنی ذات، اپنی پیدائش اور ذات کے مختلف احوال میں غور وفکر کر کے اپنے آپ کو پہچان سکے، دن اور رات کی گردش، چاند اور سورج اور سیاروں کی حرکت اور کائنات کے بے شمار احوال وامور میں سوچ بچار کر کے عبرت وسبق حاصل کرے، اس کائنات کی حقیقت جان کر خالقِ کائنات کو سمجھنے کی کوشش کرے، آخرت کے امور کو جاننے اور اس دنیا میں صحیح زندگی گزارنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب میں غور وفکر کرے۔ شمس الائمہ سرخسیؒ لکھتے ہیں کہ مومن جب غور وفکر کرتا ہے تو اس کے قلب پر بہت سی مخفی چیزیں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ جس طرح آنکھ موجود چیز ہی کا دیکھ کر ادراک کرتی ہے، اسی طرح غور وفکر کے ذریعہ قلب ان چیزوں کا ادراک کر لیتا ہے جو ظاہری نگاہوں سے غائب ہوتی ہیں۔ جو لوگ تفکر وتدبر سے کام نہیں لیتے قرآنِ حکیم انہیں دل کا نابینا قرار دیتا ہے۔

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِهَاۤ اَوْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِهَا. فَاِنَّهَا لَاتَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ

[الحج ۲۲:۴۶]

کیا انہوں نے زمین میں سیر وسیاحت نہیں کی کہ ان کے دل ایسے ہوتے کہ سمجھ سکتے، یا کان ایسے ہوتے کہ ان سے سن سکتے؟ بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ سینوں میں موجود دل اندھے ہوتے ہیں۔

۱۵۔ دیکھیے: سورۃ الروم ۳۰: ۱تا ۲۷

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مجتہد جسے آیاتِ الٰہیہ پر شرحِ صدر ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس کے قلب ونظر میں بڑی وسعت پیدا ہوتی ہے، وہ جب مسائل واحوال میں غور وفکر کا راستہ اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ نورِ قلبی صراطِ مستقیم کی طرف اس کی رہنمائی کرتا ہے اور زیرِ غور مسئلہ کے بے شمار مخفی پہلو اس پر اجاگر ہو جاتے ہیں۔ قیاس کی صورت میں مجتہد وہ تعلق اور ربط دریافت کرتا ہے جو نئے پیش آمدہ مسائل اور نصوصِ وحی کے درمیان موجود ہوتا ہے۔ اس ربط اور تعلق کی وجہ سے اصل کا حکم فرع پر لگایا جاتا ہے اور فرع پر عمل اسی طرح باعثِ برکت اور اجر وثواب ہوتا ہے جس طرح وحی حقیقی پر عمل باعثِ برکت وثواب ہوتا ہے۔ قیاس جلی کی مثال ایسی ہے جیسے نگاہوں سے مشاہدہ کہ اس سے اطمینانِ قلب حاصل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اشباہ ونظائر کو ملحوظ رکھ کر جب قیاس کیا جاتا ہے تو اس سے بھی اطمینان کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، لیکن مجتہد کو کبھی قیاسِ خفی کی طرف بھی رجوع کرنا پڑتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی گم کردہ راہ کے راہی کو کوئی مخبر صادق اچھی طرح راستہ سمجھا دے، راستہ سمجھنے والے کو اس کی صداقت پر یقین ہو اور اس کے بتائے ہوئے نقشہ کو اس نے اچھی طرح سمجھ لیا ہو تو اس سے اس کے قلب پر بھی اطمینان کی ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ پھر وہ جوں جوں اس کے بتائے ہوئے نقشہ کے مطابق سفر طے کرتا ہے اور اسے اپنی منزل کے آثار نظر آنے لگتے ہیں تو اس کے یقین اور اطمینان کی کیفیت میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ راہ بھٹکنے سے جو ضیقِ صدر ہوا تھا، اب منزل کے آثار وعلامات کے مشاہدہ سے انشراحِ صدر ہونے لگے گا۔ قلب کے مشاہدات بھی نگاہوں کے مشاہدات کی طرح ہوتے ہیں۔ نظری وفکری دلائل سے بھی طمانیتِ قلب حاصل ہوتا ہے۔ پھر طمانیتِ قلب سے شرحِ صدر تک کا مرحلہ طے ہوتا ہے(۱۶)۔

شرحِ صدر کی کیفیت کا اجتہاد کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ یہ کیفیت علم کی وسعت، معرفت اور علم کی گہرائی پر دلالت کرتی ہے۔ خاص طور پر اس کا اطلاق اس قلبی واردات پر ہوتا ہے جو کسی دقیق اور مشکل مسئلہ کے متعلق قلب پر وارد ہو اور قلب کو اس پر اطمینان حاصل ہو جائے۔ حضرت ابوبکرؓ کے سامنے جب قرآن کریم کتابی شکل میں جمع کرنے کا مسئلہ پیش کیا گیا تو ابتداء میں انہیں اس رائے سے اتفاق نہیں تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ کے استدلال اور مسئلہ پر غور وفکر کے نتیجہ میں انہیں جو قلبی اطمینان حاصل ہوا، اسے انہوں نے شرحِ صدر سے تعبیر کیا۔ فقہاء نے ان کے اس عمل کو اجتہاد سے تعبیر کیا ہے۔ بسا اوقات ایک مجتہد کو بھی اپنی قائم کردہ رائے پر مکمل طور پر اطمینانِ قلب حاصل ہو جاتا ہے، یہ اطمینان اور تسکینِ قلب ہی شرحِ صدر کہلاتا ہے۔

ماوردیؒ کے الفاظ طلب الصواب بالامارات الدالة علیه یعنی حق اور صحیح بات کو دلائل وآثار سے پالینے(۱۷) کا مطلب یہی ہے۔ اس صورت میں مجتہد کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ انتہائی محنت اور غور وفکر کر کے آثار وعلامات کو اجاگر کرتا ہے اور اپنے فہم وعلم کے

۱۶۔ اصول السرخسی ۲/۱۲۸

۱۷۔ ماوردی، ادب القاضی ۱/۴۹۰

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مطابق شریعت کا منشاء واضح کرتا ہے۔ اس عمل کے ذریعہ اگر مجتہد نے اصل اور فرع کے درمیان بہت گہرا ربط و تعلق دریافت کرلیا اور اس کے دلائل میں بھی وضاحت اور قوت پائی جاتی ہو تو اس سے شرح صدر بھی مکمل حاصل ہوگا۔ لیکن اگر اصل و فرع دونوں میں ربط تو معلوم ہو جائے مگر وہ زیادہ واضح نہ ہو اور مجتہد کے پاس دلیل تو ہو اگرچہ وہ بہت قوی نہ ہو تو بھی اس سے اطمینان کا وہ درجہ ضرور حاصل ہو جاتا ہے جو عمل کے لیے ضروری ہوتا ہے۔

سنّت میں قیاس کے نظائر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں میں بھی ہمیں قیاس کے نظائر ملتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک خاتون آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری والدہ محترمہ پر حج فرض ہو گیا تھا لیکن انہیں اس کی ادائیگی کا موقع نہیں مل سکا۔ کیا میں اپنی والدہ کی جانب سے حج کرسکتی ہوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا:

نعم حجي عنها، أرأيت لوكان على امك دين أكنت قاضيه؟
جی ہاں، آپ ان کی طرف سے حج کیجئے۔ آپ کا کیا خیال ہے اگر آپ کی
والدہ محترمہ پر قرض ہوتا اور آپ اسے ادا کرتیں تو کیا وہ ادا نہ ہوتا؟

یہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادتِ حج کو قرض کی ادائیگی پر قیاس کیا۔

اسی طرح ایک جلیل القدر صحابیؓ نے روزہ کی حالت میں اپنی بیوی کا بوسہ لے لیا، پھر پریشانی ہوئی کہ کہیں اس عمل سے روزہ تو متاثر نہیں ہوا؟ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف لے گئے اور واقعہ بیان کر کے مسئلہ دریافت کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أرأيت لو تمضمضت ماء وأنت صائم
آپ کا کیا خیال ہے اگر آپ روزہ کی حالت میں کلی کریں
(تو کیا اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا؟)

اس سے مراد یہ ہے کہ جس طرح کلی کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اسی طرح بوسہ لینے سے بھی نہیں ٹوٹتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اندازِ تعلیم یہ تھا کہ جن امور میں شریعت کا واضح حکم نہ ہو وہاں اپنا علم اور ذہانت استعمال کر کے قیاس سے مسائل کا حل دریافت کیا جاسکتا ہے۔ بسا اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیاس کے ذریعہ اس طرح استدلال کی تعلیم فرمائی کہ مسئلہ کا حکم بتا کر اس کی علت بھی بتا دی مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلی کے جھوٹے کے بارے میں فرمایا کہ وہ ناپاک نہیں ہے۔ آپ نے اس کی علت یہ بتائی کہ:

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

انها من الطوافين عليكم والطوافات

یہ جانور تو کثرت سے گھروں میں آتے جاتے رہتے ہیں۔

اگر اس کے جھوٹے کو حرام قرار دے دیا جائے تو لوگ مشکل میں پڑ جائیں گے۔ اب اگر کسی علاقہ میں بلی کی طرح کسی اور جانور کا کثرت سے آنا جانا ہو تو اس کے جھوٹے پر بھی یہی حکم لگایا جائے گا (۱۸)۔ بشرطیکہ اس کی حرمت نص سے ثابت نہ ہو۔ مثلاً کتے کا جھوٹا ناپاک ہی رہے گا خواہ کسی علاقہ میں ان کی کثرت ہی کیوں نہ ہو اور گھروں میں آتے جاتے ہوں۔

صحابہ کرامؓ اور قیاس سے استنباط

خلافت کا مسئلہ طے کرنے کے لیے جب صحابہ کرامؓ سقیفہ بنو ساعدہ میں جمع ہوئے تو حضرت عمرؓ نے خلافت کے لیے حضرت ابوبکرؓ کا نام تجویز کرتے ہوئے قیاسی استدلال پیش کیا۔ قیاس یہ تھا کہ حضرت ابوبکرؓ وہ شخصیت ہیں جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے دینی امور میں اعتماد فرماتے ہوئے قیادت ان کے سپرد کر دی۔ لہٰذا کیوں نہ ہم اپنے دنیوی معاملات کی قیادت بھی ان کے سپرد کر دیں۔ اس موقعہ پر یہ استدلال حضرت عمرؓ نے ایک اور انداز سے بھی پیش کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ حضرت ابوبکرؓ وہ مسلمہ اور قابلِ اعتماد شخصیت ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت مسلمہ کی امامت کے لیے اس مصلیٰ پر کھڑا کیا ہے۔ اب بھلا کون یہ اختیار رکھتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کو اس مقام سے ہٹائے۔ حضرت عمرؓ کا اشارہ اس بات کی طرف تھا کہ اگر کسی اور کو خلیفہ مقرر کر لیا جائے تو امامت کے فرائض انجام دینا تو خلیفہ وقت کا حق ہے۔ اس صورت میں یہ فرائض مقرر شدہ خلیفہ انجام دے گا، نہ کہ حضرت ابوبکرؓ۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ابوبکرؓ کو جو منصب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ میں عطا کیا تھا، انہیں اس منصب سے ہٹا دیا جائے۔ یہ استدلال بڑا مضبوط تھا۔ صحابہ کرامؓ نے اس استدلال میں مضمر حقیقت کو پا لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو منصب امامت پر فائز کر کے یہ اشارہ دیا ہے کہ امت انہیں منصب خلافت کے لیے بھی منتخب کر لے، آپ موزوں ترین فرد ہیں جن پر ہر لحاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکمل اعتماد تھا (۱۹)۔

حضرت علیؓ کی اجتہادی آراء میں بھی قیاس کی مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً آپ نے شراب نوشی کی سزا تجویز کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کی سزا قذف کی سزا کے برابر ہونی چاہیے۔ اس لیے کہ انسان جب شراب نوشی کرتا ہے تو اس پر نشہ طاری ہو جاتا ہے۔ پھر وہ نشہ کی حالت میں اول فول باتیں کرتا ہے اور تہمت لگاتا ہے، شریعت نے تہمت پر اسی کوڑوں کی سزا مقرر کی ہے، لہٰذا شراب نوشی کو قذف پر قیاس کرتے ہوئے اس کی سزا بھی اسی کوڑے مقرر کی جا سکتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے

۱۸۔ اصول السرخسی ۱۳۰/۲

۱۹۔ تاریخ الامم والملوک ۲۰۲/۳

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شراب نوشی کی سزا اسی دُرّے مقرر کر دی(۲۰)۔

حضرت عائشہؓ کو بچپن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور آپ سے استفادۂ علم کا شرف حاصل رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت نے آپؓ میں ذہانت اور رائے کو استعمال کرنے کی بے پناہ صلاحیت پیدا کر دی تھی۔ حضرت عائشہؓ کی فقہی آراء میں قیاسی استدلال کی بہت عمدہ مثالیں ملتی ہیں۔ مثال کے طور پر حضرت ابو ہریرہؓ کی رائے تھی کہ جو شخص مردہ کو غسل دیتا ہے اس پر غسل ضروری ہو جاتا ہے اور جو جنازہ کی چار پائی اٹھاتا ہے اس پر وضو لازم ہو جاتا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے یہ سنا تو فرمایا: اوَینجس موتی المسلمین؟وما علی رجل لو حمل عودا ۔یعنی کیا مسلمان مردہ بھی بھلا ناپاک ہوتا ہے؟ اور اگر کوئی لکڑی کو اٹھاتا ہے تو اس سے کیا ہوتا ہے۔ چوں کہ یہ دونوں باتیں قیاس کے خلاف تھیں اس لیے حضرت عائشہؓ نے دونوں کو رد کر دیا(۲۱)۔

فقہاء کے ہاں قیاس کا مقام اور قیاسی استنباط

دوسری اور تیسری صدی ہجری کے فقہاء نے قیاس کو زیادہ علمی اور منضبط انداز میں پیش کیا اور اس کی حدود و قیود متعین کیں۔ خاص طور پر علت اور اس کو دریافت کرنے کے طرق پر منطقی انداز سے جو بحث ہوئی ہے، اس کی وجہ سے قیاس کا اسلوب فنی اور علمی اعتبار سے خوب واضح ہو گیا اور اس کو استدلال و استنباط کے ایک اہم اصول کے طور پر قبول نہ کرنے کی گنجائش نہیں رہی۔ قیاس کو ایک اسلوب کے طور پر تقریباً تمام فقہی مکاتب فکر نے قبول کیا ہے۔

فقہائے احناف قیاس سے اُس وقت کام لیتے ہیں جب کسی مسئلہ میں قرآن وسنت خاموش ہوں۔ امام ابوحنیفہؒ تو صحابہ کرامؓ کی رائے اور فتاویٰ کو بھی اپنے قیاس پر ترجیح دیتے تھے، اس لیے کہ صحابہ کرامؓ مکتب رسالت کے براہ راست تربیت یافتہ تھے۔ اُن کو دین کا فہم حاصل تھا اور ان کا فہم دین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بھی قابل اعتماد تھا۔ اس لیے امام ابوحنیفہؒ اور بعد والوں کے لیے صحابہ کرامؓ کے فتاویٰ اور متفقہ آراء حجت ہیں۔ قیاس کے موضوع پر فخر الاسلام بزدویؒ (م ۴۸۲ھ) نے بہت علمی انداز میں بحث کی ہے، مثلاً قیاس کی تفسیر و تشریح، اُس کی شرائط و ارکان، قیاس کا حکم اور اقسام وغیرہ(۲۲)۔

شمس الائمہ سرخسیؒ (م ۴۹۰ھ) نے منکرین قیاس پر بہت مدلل انداز میں گرفت کی ہے اور قیاس کو عقلی و نقلی دلائل سے ثابت کر کے بتایا ہے کہ مشترک علت کی بنا پر نص میں مذکور مسئلہ کا حکم فرع پر نافذ کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور ان کے بعد أئمہ وفقہاء نے قیاس کو استدلال و استنباط احکام کے لیے بطور دلیل استعمال کیا ہے(۲۳)۔

۲۰۔ المبسوط ۲۴/۴

۲۱۔ سیرت عائشہؓ ص ۲۰۹

۲۲۔ کنز الوصول الی معرفة الاصول ص ۲۴۸۔۲۷۵

۲۳۔ اصول السرخسی ۲/۱۱۸۔۲۱۵

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

امام مالکؒ (م ۱۷۹ھ) نے بھی قیاس کو استدلال واستنباطِ احکام کے لیے استعمال کیا ہے۔ آپ کی کتابوں ''الموطا'' اور ''المدونۃ الکبری'' میں قیاس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ امام مالکؒ کے نزدیک قیاس کے لیے نصوص میں محض اشباہ ونظائر کا ہونا کافی ہے۔ ایک مرتبہ امام مالکؒ سے مسئلہ پوچھا گیا کہ اگر کوئی خاتون اپنے ایامِ حیض مکمل کر لے لیکن اسے غسل کے لیے پانی میسر نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ امام مالکؒ نے فرمایا: اسے تیمم کر لینا چاہیے، اس لیے کہ یہ خاتون اُس مرد کی طرح ہے جو جنبی ہو اور اسے پانی میسر نہ ہو۔ مردوں کے لیے تیمم کا حکم قرآن کریم میں موجود ہے (۲۴)۔ یوں امام مالکؒ نے حائضہ خاتون کی حالت کو جنبی مرد کی حالت پر قیاس کرتے ہوئے تیمم کا حکم دیا (۲۵)۔

امام مالکؒ سنت میں مذکور احکام کو بھی بطورِ نظائر پیشِ نظر رکھ کر قیاس کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ الموطا میں حضرت فاطمہ بنت اَبی حُبَیش کا واقعہ نقل کرتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں کیا کروں؟ مجھے تو مسلسل خون آ رہا ہے، بند ہی نہیں ہوتا۔ میں نمازوں کا کیا کروں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تمہارے متعین ایام کا وقت شروع ہو جائے تو ان دنوں میں تم نماز ترک کر دو اور جب وہ مقررہ ایام گزر جائیں تو پھر غسل کر کے نمازیں پڑھ لیا کرو۔ البتہ ہر نماز کے لیے وضو کرنا ضروری ہوگا۔ اس واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ایسی خاتون کے ایام حیض گزرنے پر جب اسے نماز پڑھنے کی اجازت مل گئی ہے تو اس کے شوہر کو بھی اجازت ہے کہ وہ اس کے ساتھ مجامعت کر سکتا ہے (۲۶)۔

امام مالکؒ معدنیات کو زراعت پر قیاس کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جس طرح فصل کٹنے پر زراعت پر زکوٰۃ لازم ہوتی ہے اسی طرح کان (Mine) سے نکلنے والی معدنیات پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ اس کے لیے مکمل سال گزرنا شرط نہیں بلکہ جس طرح زراعت میں ہر فصل پر زکوٰۃ ضروری ہے، اسی طرح کان سے بھی جتنی مرتبہ معدنیات نکالی جائیں گی اتنی مرتبہ ان پر زکوٰۃ لازم ہوگی (۲۷)۔

ابوالولید سلیمان الباجیؒ (م ۴۷۰ھ) مالکی اصولِ فقہ کو منضبط کرنے والے متقدمین میں نمایاں فقیہ ہیں۔ انہوں نے اصولِ فقہ میں قیاس کو ایک اصول کے طور پر بیان کیا ہے: ومذهب مالك القول بالقياس ''امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ قیاس کی بنیاد پر

۲۴۔ دیکھئے سورۃ النساء ۴:۴۳، سورۃ المائدۃ ۵:۶

۲۵۔ المؤطا ص۲۲۔ شرح تنویر الحوالک ۱/۶۰

۲۶۔ المؤطاء ص۲۳، تنویر الحوالک ۱/۶۴

۲۷۔ تنویر الحوالک ۱/۹۱، ۱۹۰

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

مسئلہ کو حل کیا جا سکتا ہے" (۲۸)۔ بلکہ اُن کا کہنا ہے کہ قیاس کے ذریعہ استدلال اور استنباط احکام کے جواز پر نہ صرف کتاب وسنت سے دلائل ملتے ہیں بلکہ اس کی حجیت پر اہلِ علم کا اجماع بھی ہے (۲۹)۔

امام شافعیؒ (م ۲۰۵ھ) نے قیاس کو ایک اہم اجتہادی اسلوب کے طور پر متعارف کرایا ہے مگر وہ اجتہاد کے بارے میں بہت محتاط رویہ اختیار کرتے ہیں۔ دراصل امام شافعیؒ اجتہاد بالرأی کے اس پہلو کو نظر انداز نہیں کرتے کہ کچھ حضرات اجتہاد بالرأی کے ذریعہ دین سے انحراف کا راستہ اختیار کر سکتے ہیں، اس لیے وہ بہت محتاط انداز اختیار کرتے ہیں۔ چوں کہ قیاس اجتہاد کا ایک مستحکم اسلوب ہے اور اس میں انحراف کے امکانات بہت کم ہیں اس لیے وہ قیاس پر خاص توجہ دیتے ہیں۔

امام شافعی کی کتاب الرسالۃ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ محتاط رویہ کے باوجود امام شافعیؒ کے نزدیک قیاس کا مفہوم خاصا وسیع ہے۔ ان کے نزدیک نصوص میں موجود نظائر اور ظاہری امثال سامنے رکھ کر غیر منصوص کا حکم بذریعہ قیاس دریافت کیا جا سکتا ہے۔ تمام بڑے فقہاء کی یہی فکر رہی ہے۔ اس کے بغیر فقہ وقانون کا ارتقاء اور اسے ہر دور میں قابلِ عمل بنائے رکھنا ممکن نہیں (۳۰)۔

ہمارے فقہاء ایک دوسرے کی تحریروں اور آراء سے استفادہ کرتے رہے ہیں۔ اس لیے بعد میں اصولِ قیاس پر جو فنی بحثیں ہوئیں اور جو شرائط واقسام بیان کی گئیں ہیں، ان سے تمام مکاتب فقہ کے اہلِ علم بلا کسی تفریق کے فائدہ اٹھاتے رہے ہیں۔ نتیجتاً مختلف مکاتب فقہ میں بہت سی باتوں پر ہم آہنگی ہوتی چلی گئی۔ چناں چہ بعد کے فقہاء احناف اور فقہاء شافعیہ میں اس بات پر اتفاق ہے کہ قیاس کے ذریعہ استدلال اُس وقت صحیح قرار پائے گا جب قیاس کے چاروں ارکان موجود ہوں، یعنی اصل، فرع، علت، اور حکم۔ ماوردیؒ (م ۴۵۰ھ) نے قیاس کی جو تعریف کی ہے وہ ان چاروں ارکان پر محیط ہے: القیاس هو الجمع بين النوع والاصل لاشتراكهما في علة الاصل یعنی قیاس کا مفہوم یہ ہے کہ فرع اور اصل کو ایک ہی حکم کے تحت رکھا جائے، اس لیے کہ اصل میں پائی جانے والی علت فرع میں بھی موجود ہے۔ لہٰذا جو حکم اصل کا ہوگا وہی حکم فرع کا بھی قرار پائے گا (۳۱)۔

امام الحرمین جوینیؒ (م ۴۷۸ھ) نے قیاس کی بحث کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ وہ منکرین قیاس کا رد کرتے ہوئے عقلی اور نقلی دلائل کے ساتھ قیاس کی حجیت اور اس کے ذریعہ شرعی حکم کے اثبات پر روشنی ڈالتے ہیں (۳۲)۔ قیاس کے موضوع پر یہ بحث ایک سو اٹھاون صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔

۲۸۔ الاشارة فی اصول الفقه ص ۱۷۲

۲۹۔ ایضاً ص ۱۸۴

۳۰۔ الرسالة ص ۴۷۶-۴۸۴

۳۱۔ ادب القاضی ۱/۴۹۰

۳۲۔ البرهان فی اصول الفقة ۲/۳-۷

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ (م ۵۰۵ھ) اور سیف الدین آمدیؒ (م ۶۳۱ھ) شافعی مکتب کے وہ فقہاء ہیں جنہوں نے اصول فقہ کو بام عروج پر پہنچایا۔ قیاس کے موضوع پر ان کے نقطہ نگاہ میں اور حنفی نقطہ نگاہ میں زیادہ اختلاف نہیں ہے (۳۳)۔

حنبلی فقہاء میں فقہ اور اصول فقہ کو علمی انداز سے مدوّن کرنے کا سہرا ابن قدامہؒ کے سر ہے۔ انہوں نے روضۃ الناظر وجنۃ المناظر کے نام سے کتاب مرتب کی جو حنبلی اصول فقہ میں امہات کتب میں شمار ہوتی ہے۔ انہوں نے اس کتاب میں قیاس پر تفصیل سے بحث کی ہے اور قیاس کو اجتہاد کے ایک اہم اسلوب کے طور پر تسلیم کیا ہے (۳۴)۔ ابن قدامہؒ کے بعد امام ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) اور حافظ ابن قیمؒ (م ۷۵۱ھ) نے فقہ حنبلی کے ارتقاء میں نمایاں کردار ادا کیا۔ یہ دونوں نامور فقہاء قیاس کو دلیل شرعی کے طور پر تسلیم کرتے ہیں۔

استحسان

قانون سازی کے عمل میں کبھی ایسی صورت بھی پیش آتی ہے کہ قیاس کے ذریعہ درپیش مسئلہ حل کرنا مشکل ہو جاتا ہے، یا قیاس کی حد بندیاں یا اس کی ظاہری وجوہ عدل وانصاف کی راہ میں رکاوٹ بن جاتی ہیں، یا بعض قواعد وضوابط کسی جائز کام یا انسانی مصلحت کی راہ میں رکاوٹ بن جاتے ہیں تو اس قسم کی رکاوٹ دور کرنے کے لیے فقہاء احناف استحسان کا اصول استعمال کرتے ہیں۔

استحسان کا مفہوم: استحسان کا لغوی مفہوم کسی حسی یا معنوی چیز میں ظاہری اور پوشیدہ خوبیوں کا ادراک کرنا ہے۔ فقہاء نے استحسان کی مختلف صورتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کی مختلف تعریفیں کی ہیں۔ مثال کے طور پر ایک تعریف یہ کی جاتی ہے کہ کسی قوی دلیل کی بنا پر قیاس جلی کو ترک کر کے قیاس خفی پر عمل کرنا استحسان کہلاتا ہے (۳۵)۔ شمس الأئمہ سرخسیؒ کی رائے میں استحسان کا مفہوم یہ ہے کہ ظاہری قیاس کو چھوڑ کر اس چیز کو اختیار کرنا جو عام لوگوں کے لیے مفید ہو (۳۶)۔

استحسان کے اصول میں بنیادی فلسفہ یہ ہے کہ لوگوں کے لیے اجتماعی امور میں سہولت پیدا کی جائے اور اس راستہ میں حائل مشکلات اور دشواریاں دور کی جائیں۔

۳۳۔ المستصفی من علم الاصول، قیاس کے لیے دیکھئے ج ۲۔ آمدی، الإحکام فی اصول الاحکام، قیاس کے لیے دیکھیے ج ۳

۳۴۔ دیکھیے: نزھۃ الخاطر شرح روضۃ الناظر، باب القیاس ج ۲

۳۵۔ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام ۴/۱۵۷

۳۶۔ اصول السرخسی ۲/۱۹۹تا۲۰۸

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

استحسان کی بنیادیں: استحسان کی بنیادیں قرآن وسنت میں ملتی ہیں۔ استحسان کا مادہ ح۔س۔ن (خوبی، نیکی، اچھائی) ہے جو مختلف صیغوں میں کثرت سے استعمال ہوا ہے مثلاً:

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ [النحل ۱۶:۹۰]

اللہ تعالیٰ یقیناً عدل وانصاف اور بھلائی کا حکم دیتے ہیں۔

ایک اور آیت ہے:

وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ [النساء ۴:۱۲۵]

اس سے بہتر دین کس کا ہوسکتا ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی جبیں سرنگوں کردی اور وہ نیک کاموں میں مصروف ہو۔

قرآن حکیم میں کئی مقامات پر لفظ احسان، ایمان اور فضائلِ اخلاق کے سیاق وسباق میں آیا ہے۔ جس طرح اعلیٰ اخلاقی اقدار معاشرہ میں پاکیزہ، خوشگوار اور پُرسکون ماحول پیدا کرتی ہیں، اسی طرح اجتماعی مصلحتوں کا اعتبار بھی معاشرہ میں خوبیوں کو جنم دیتا ہے۔ فضائلِ اخلاق میں کچھ وہ ہیں جن کو عباداتِ قلبیہ میں شمار کیا جاتا ہے جیسے اخلاص، تقویٰ، شکر، صبر اور توکل وغیرہ اور کچھ وہ ہیں جو عباداتِ بدنیہ کہلاتی ہیں جیسے صدق، امانت، تواضع، ایثار اور شجاعت وغیرہ۔ گویا وہ تمام امور جو انسان کے ظاہر و باطن کی اصلاح سے متعلق ہیں وہ سب احسان کے دائرہ میں آتے ہیں۔ اس طرح یہ اصطلاح انسان کی دنیا وآخرت سے وابستہ تمام مصلحتوں کا احاطہ کرتی ہے۔

www.kitabosunnat.com

مشہور حدیثِ جبریل علیہ السلام میں احسان کا مفہوم یہ ہے:

ان تعبد اللّٰه كأنك تراه، فان لم تكن تراه فإنه يراك (۳۷)

اس طرح عبادت کریں گویا آپ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں، اگر (حضوری کی) یہ کیفیت پیدا نہ ہوسکے تو یہ ضرور ہونی چاہیے کہ وہ آپ کو دیکھ رہا ہے۔

عبادت میں حضوری کی یہ وہ کیفیت ہے جسے مقامِ شہود کہا جاتا ہے کہ انسان غور وفکر کے مرتبہ سے بلند ہوکر اہلِ شہود کے مرتبہ میں داخل ہوجاتا ہے جہاں اسے ان حقائق کا مشاہدہ ہونے لگتا ہے جن کا مشاہدہ عام لوگوں کو نہیں ہوتا۔ یہی مقام احسان کہلاتا ہے جو قلب ونظر کے حسن اور تزکیہ کی معراج ہے۔ حدیثِ جبریل میں احسان کے ذریعہ ایمان واخلاص دونوں میں درجہء کمال مطلوب ہے۔

۳۷۔ الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب سوال جبریل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الایمان والاسلام والاحسان وعلم الساعة

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

استحسان کا مقصد اور اس کا ثبوت: فقہاء استحسان کے مختلف اسالیب کا اعتبار اس لیے کرتے ہیں تاکہ دنیوی و اخروی مصالح کا تحفظ ہو سکے۔ ان مصالح میں یہ بھی شامل ہے کہ کسی مکلف پر ضرورت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے۔ شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے سہولت مہیا کی جائے تاکہ اعمال میں اکتاہٹ پیدا نہ ہو بلکہ شوق و ذوق اور جذبہ عمل برقرار رہے۔ تخفیف و تسہیل کے اس اصول کا اطلاق عبادات پر بھی ہوتا ہے۔ شریعت از خود ان صورتوں میں تخفیف کر دیتی ہے جن میں مشقت اور دشواری کا امکان ہوتا ہے۔ مثلاً مسافر کے لیے نمازوں میں قصر، فرض روزوں میں بیمار اور مسافر کو افطار اور بعد میں قضاء کی اجازت اور بعض حالات میں تیمم کی اجازت وغیرہ۔

قرآن کریم میں ایسی متعدد آیات ہیں جن سے فقہاء نے استحسان کا اصول اخذ کیا ہے۔ مثلاً رمضان المبارک کے فرض روزہ میں بیماروں اور مسافروں کو رخصت دے کر ارشاد فرمایا:

يُرِيْدُاللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَوَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ [البقرہ ۲:۱۸۵]

اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے، سختی نہیں چاہتا۔

اور فرمایا:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساً إِلَّا وُسْعَهَا [البقرہ ۲:۲۸۶]

اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی استطاعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

سورۃ الحج میں حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کا حق ادا کرو، لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا:

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ [الحج ۲۲:۷۸]

تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں ڈالی یعنی ایسے احکام نہیں دیے گئے جن پر عمل کرنا انسان کے بس میں نہ ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائضِ نبوت کی ادائیگی کا ذکر کرتے ہوئے قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَآئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ [الاعراف ۷:۷۸]

وہ لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہیں، برائیوں سے روکتے ہیں، پاکیزہ چیزیں ان کے لیے حلال قرار دیتے ہیں اور گندی چیزوں کو حرام ٹھہراتے ہیں، اور لوگوں پر جو بوجھ اور طوق پڑے ہوئے تھے انہیں دور کرتے ہیں۔

قدیم شریعتوں میں جو سخت احکام تھے وہ اس آخری شریعت میں یا تو منسوخ کر دیے گئے یا ان میں نرمی کر دی گئی۔ رسول اللہ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بعثت بالحنيفية السمحة

مجھے آسان دین حنفی دے کر بھیجا گیا ہے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو جب قضا اور امارت کی ذمہ داریاں دے کر یمن روانہ فرمایا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف الفاظ میں حکم دیا:

بشرا ولا تنفرا، يسرا ولا تعسرا (۳۸)

لوگوں کو خوشخبری سنایئے اور متنفر نہ کیجیے، ان کے لیے

آسانیاں پیدا کیجیے اور سختیاں نہ کیجیے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے:

مارأى المسلمون حسنا فهو عندالله حسن (۳۹)

جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔

خرید وفروخت میں اصلی قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز موجود نہ ہو اس کی فروخت جائز نہیں ہے۔ اس قاعدہ کی رو سے استصناع یعنی کسی کاریگر یا کارخانے سے آرڈر پر کوئی چیز بنوانے کا عقد جائز نہیں ہے۔ لیکن فقہ اسلامی نے معاشرتی ضرورت اور انسانی مصلحت کو ملحوظ رکھتے ہوئے استصناع کی استحساناً اجازت دی ہے (۴۰)۔

عہد رسالت اور عہد صحابہؓ میں عقد استصناع کی مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً بعض لوگ جفت سازی کا کام کرتے تھے اور لوگ ان سے اپنے سائز کے مطابق جوتے بنوایا کرتے تھے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعلین استعمال کرتے تھے۔ جفت سازی کے علاوہ اور بہت سی صنعتیں موجود تھیں۔ مثلاً نجار (بڑھئی)، حدآد (لوہار)، دباغ (چرم ساز)، طباخ (باورچی)، صباغ (رنگریز) اور نساج (کپڑا بنانے والا)۔ ان حرفتوں سے وابستہ کاری گر حضرات لوگوں سے آرڈر لے کر ان کے لیے اشیاء تیار کرتے تھے۔ شریعت نے اس رواج کو استحساناً برقرار رکھا ہے (۴۱)۔ بقول شمس الائمہ سرخسی عہد رسالت سے آج تک استصناع پر عمل چلا آرہا ہے (۴۲)۔

۳۸۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم ۴۴/۲

۳۹۔ المستدرک، کتاب معرفۃ الصحابۃ ۷۸/۳

۴۰۔ بدائع الصنائع ۳/۵

۴۱۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے، تخریج الدلالات السمعیۃ ص۷۱۵تا۷۲۲۔ التراتیب الاداریۃ ۵۸/۲-۱۰۹

۴۲۔ اصول السرخسی ۲۰۳/۲

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

قدیم فقہاء کے نزدیک کنوؤں اور تالابوں وغیرہ کو پاک صاف کرنے کے مسائل کا تعلق استحسان سے ہے۔ کنواں جب ناپاک ہو جاتا ہے تو متعین مقدار پانی نکال دینے سے وہ پاک ہو جاتا ہے۔ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ کنواں یا تالاب پاک نہ ہو، لیکن یہاں فقہاء کنویں یا تالاب سے معین مقدار پانی نکال دینے پر کنویں کو استحسان کی بنیاد پر پاک قرار دیتے ہیں (۴۳)۔

جدید دور میں استحسان کا اصول بہت ناگزیر ہو گیا ہے۔ بے شمار ایسے مسائل ہیں جو بذریعہ قیاس حل نہیں کیے جا سکتے، انہیں استحسان ہی کے ذریعہ حل کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً ضرورت مند انسان کی جان بچانے کے لیے خون منتقل کرنا، یا جان بچانے یا صحت کے غالب گمان کی بنا پر آپریشن کرانا یا غیر طبعی موت کے اسباب جاننے کے لیے پوسٹ مارٹم کرانا، تاکہ مجرم کے ساتھ انصاف کے تقاضے پورے کیے جا سکیں وغیرہ وہ مسائل ہیں جن کا حل استحسان ہی کے ذریعہ ملتا ہے۔ فقہ اسلامی میں فروعی احکام میں استحسان کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں جن میں سے کچھ آپ گزشتہ درسی اکائی نمبر ۹ میں پڑھ چکے ہیں۔ اس کی مزید اقسام اور مثالوں کی تفصیلات اصول فقہ کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہیں (۴۴)۔

استحسان کے اصول نے اجتہاد کا دائرہ وسیع کر کے اسے اس قابل بنا دیا ہے کہ وہ ہر دور میں پیدا ہونے والے مسائل کا حل پیش کر سکے۔ شروع میں جب احناف نے یہ اسلوب دریافت کیا اور اس کی بنیاد پر استدلال و استنباط کا عمل شروع کیا تو اس کی شدت سے مخالفت کی گئی، لیکن بتدریج اس کی مخالفت کم ہوتی چلی گئی۔ مالکی اور حنبلی فقہاء نے بھی اس کی اہمیت اور افادیت کو جلد ہی قبول کر لیا تھا۔ امام شافعیؒ اور ان کے فقہی مکتب سے وابستہ بعض متقدمین فقہاء نے اس اصول پر تنقید کی ہے۔ اس کی اصل وجہ تھی کہ انہوں نے استحسان کا مفہوم یہ سمجھا کہ قیاس کو بغیر کسی معقول اور مناسب دلیل کے رد کر دیا جاتا ہے اور جو بات مجتہد کے دل کو بھاتی ہے اس کے مطابق وہ فتویٰ جاری کر دیتا ہے۔ جب احناف نے اس اصول کی مدلل انداز میں وضاحت کی اور بتایا کہ استحسان کی صورت میں قیاس کو زیادہ قوی دلیل کی بنیاد پر ترک کیا جاتا ہے اور اس میں مجتہد کی اپنی خواہش کو دخل نہیں ہوتا تو متاخرین نے ان کے دلائل کو قبول کیا۔ معاصر فقہاء تقریباً سب ہی اسے ایک دلیل اور اصول کے طور پر تسلیم کرتے ہیں۔

مصالحِ مرسلہ یا استصلاح

مفہوم: اجتہاد کا ایک اور اہم اسلوب مصالحِ مرسلہ ہے۔ یہ استنباطِ احکام کا ایک ایسا منہج ہے جس میں انسان کی مصلحت اور ضرورت کو بنیاد بنایا جاتا ہے۔ فقہاء نے مصالح اور مفاسد پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ دنیا اور آخرت کی مصلحتیں وہ ہیں جن کے

۴۳۔ اصول السرخسی ۲/۲۰۳

۴۴۔ اصول السرخسی ۲/۲۰۰ تا ۲۰۷۔ اصول الفقہ الاسلامی ۲/۷۴۰ تا ۷۴۸

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ضائع ہونے پر دنیا و آخرت کے معاملات میں رکاوٹ اور خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔ مفاسد وہ ہیں جو اگر وجود پذیر ہوں تو وہ دنیا اور آخرت میں تباہی کا سبب ہوتے ہیں۔ لہٰذا سب سے پہلے مفاسد یعنی نقصان دہ اور ضرر رساں چیزوں کا دور کرنا اور پھر مصالح کا حصول ضروری ہے۔

شریعت میں مصالح کا اعتبار: فقہاء نے مصالح پر بحث کرتے ہوئے اس کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔ پہلی قسم مصالح معتبرہ ہے۔ ان کا شریعت نے اعتبار کیا ہے۔ دوسری قسم مصالح ملغاۃ کہلاتی ہے یعنی وہ مصلحتیں جنہیں شریعت نے لغو قرار دیا ہے۔ تیسری قسم مصالح مرسلہ ہے جن کے بارے میں شریعت خاموش ہے، نہ ان کا صراحتاً اعتبار کیا ہے اور نہ انہیں رد کیا۔ اس تیسری قسم کی مصلحتوں کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ ہر دور اور ہر زمانہ میں ایسی نئی نئی مصلحتیں پیدا ہوتی رہتی ہیں جن کی رعایت قانون سازی اور احکام کی تفصیل میں کی جاتی ہے (۴۵)۔

فقہاء کے ہاں جلبِ مصلحت و دفعِ ضرر ایک کلیہ ہے جس کے تحت لوگوں کو دنیا و آخرت سے متعلق مصلحتیں ضرور حاصل ہونا چاہییں اور انہیں ضرر و نقصان سے بچایا جانا چاہیے۔ یہی شریعت کا مقصد ہے۔

فقہاء نے جلبِ مصلحت اور دفعِ ضرر کا تمام تر تصور قرآن حکیم سے اخذ کیا ہے۔ ان فقہاء کے پیشِ نظر قرآن مجید کی وہ آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی رحمت و عدل اور اس کے ساتھ انسانوں کی دنیوی و اخروی فلاح و سعادت کو بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً:

﴿ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ﴾[الاعراف ۷:۱۵۶] اور میری رحمت ہر چیز کو محیط ہے، یا: ﴿كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ﴾[الانعام ۶:۵۴] آپ کے رب نے رحمت کو اپنے اوپر ضروری اور لازم کر لیا ہے، یا ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ﴾[النحل ۱۶:۹۰] اللہ تعالیٰ عدل و احسان کا حکم دیتے ہیں، اور ﴿ يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴾[البقرۃ ۲:۲۶۹] اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے حکمت عطا فرماتا ہے اور جسے حکمت و دانائی مل گئی، اسے بہت بڑی بھلائی مل گئی۔

عزالدین اور ابن قیم کا تصورِ شریعت و مصلحت: فقہاء نے ایسی آیات سے ماخوذ تصور کی جھلک کو فقہی احکام میں نمایاں کیا ہے۔ عزالدین السلمی (م ۶۶۰ھ) نے تصورِ مصلحت و حکمت کی وضاحت یوں کی ہے: الشریعة کلها مصالح، اما لدرأ مفاسد او تجلب مصالح۔ شریعت مکمل طور پر مصلحتوں پر مبنی ہے، یا مفاسد کو ختم کرتی ہے یا مصلحتوں کو حاصل کرتی ہے (۴۶)۔

حافظ ابن قیمؒ (م ۷۵۱ھ) نے یہ تصور زیادہ وضاحت اور قوت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: شریعت تو سراسر حکمت

۴۵۔ الوجیز فی اصول الفقه ص ۲۳۶ وما بعد

۴۶۔ قواعد الاحکام فی مصالح الانام ۹/۱

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور لوگوں کی مصلحتوں پر مبنی ہے۔ شریعت سراپا عدل، مکمل طور پر مصلحت اور حکمت و دانائی سے بھرپور ہے۔ ہر وہ مسئلہ جو عدل سے ہٹ کر ظلم کی حدود میں داخل ہو جائے یا رحمت سے نکل کر زحمت بن جائے یا مصلحت سے نکل کر فساد و ضرر کا سبب بن جائے تو شریعت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، خواہ تاویل کر کے اسے شریعت میں داخل کرنے کی کوشش کی گئی ہو (پھر بھی اس کا حقیقتاً شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہوگا) (۴۷)۔

مصالح مرسلہ ایک دلیل کے طور پر ان مسائل میں قابلِ قبول ہے جن کا تعلق انسانوں کے دنیوی معاملات سے ہوتا ہے۔ جہاں تک عقائد اور عبادات کا تعلق ہے یا وہ امور جن کا تعلق اخروی زندگی سے ہے وہ مصالحِ مرسلہ کے دائرہ سے باہر ہیں۔ ان امور میں صرف وحی دلیل ہو سکتی ہے۔ البتہ انسانوں کے دنیوی امور خواہ ان کا تعلق معاملات سے ہو یا معاشرت سے، سیاست سے ہو یا انتظامی امور اور دفاع وغیرہ سے ہو، ان امور میں انسانی عقل و فہم، علم اور تجربہ کے پیمانے استعمال ہو سکتے ہیں۔ جب ان دنیوی امور سے متعلق مصالح کے جواز یا عدم جواز پر شرعی نصوص خاموش ہوں تو فقہاء مصالح عامہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے استدلال کرتے ہیں۔ لیکن ایسا کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ مصالح عامہ اور منشائے شریعت دونوں میں ہم آہنگی اور توافق رہے۔

مقاصدِ شریعت

استحسان اور مصالح مرسلہ کی تفصیلات اور احکام و مسائل پر ان کی تطبیق کو بہتر طور پر سمجھنے کے لیے مقاصدِ شریعت پر ایک مختصر نظر ڈالنا ضروری ہے۔ فقہاء کے نزدیک اجتہاد کے عمل میں ان مقاصد کو پیشِ نظر رکھا جائے گا۔ یہ تمام مقاصد وہ ہیں جن کا تعلق انسان کی دنیوی اور اخروی مصلحتوں سے ہے۔ ان مصالح اور حوائج کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ **ضروریات:** اس میں وہ حوائج شامل ہیں جن پر انسان کی زندگی کا دارومدار ہے۔ ان کی رعایت ہر صورت اور ہر حالت میں کی جائے گی۔ یہ مقاصد پانچ ہیں: دین کا تحفظ، زندگی کا تحفظ، مال کا تحفظ، نسل اور عزت و آبرو کا تحفظ اور عقل و حواس کا تحفظ۔ یہ پانچ بنیادی اصول ہیں جنہیں قانون سازی کے ہر مرحلہ میں تحفظ فراہم کیا جاتا ہے اور ان تحفظات کے حصول کی راہ میں موجود رکاوٹیں دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ان پانچ مقاصد کے تحفظ سے انسانی حقوق کا تحفظ ہو جاتا ہے۔

۲۔ **حاجیات:** یہ انسان کی وہ حوائج ہیں جن کے نہ ہونے سے زندگی میں مشکلات اور دشواریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ جیسے بیماری اور سفر کی حالت میں عبادات میں رخصت یا عادات و اطوار میں حلال جانور کے شکار کی اجازت یا لباس، کھانے، پینے اور سواری وغیرہ کے حصول میں حلال چیزوں سے فائدہ اٹھانا یا معاملات میں قرض و لین دین کے معاملات وغیرہ۔

۴۷۔ اعلام الموقعین عن رب العالمین ۱۴/۳

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۳۔ تحسینیات: شریعت نے ان مصالح اور حوائج کا بھی اعتبار کیا ہے جو انسانی زندگی میں حسن اور رونق پیدا کرتی ہیں اور جن کی بنا پر تہذیب و اخلاق، پاکیزگی اور صفائی کو پھلنے اور پھولنے کا موقع ملتا ہے۔ مثلاً عبادات کی صورت میں صاف ستھرا اور پاکیزہ لباس۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

يَا بَنِيٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ [الاعراف ۷: ۳۱]

اے بنی آدم! ہر نماز کے وقت اپنی آرائش کا اہتمام کرو

تقویٰ یہ نہیں ہے کہ انسان لباس کی پروا نہ کرے یا کھانا پینا چھوڑ دے، بلکہ حلال اور پاکیزہ نعمتوں کو استعمال کرے اور پورے اخلاص کے ساتھ اپنے منعم کا شکر گزار رہے۔ اسی طرح نوافل و صدقات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا مزید قرب حاصل کرنا، یا اجتماعی زندگی میں آداب اور فضائلِ اخلاق کا پوری طرح اہتمام کرنا وغیرہ، ان امور کا اہتمام کرنے سے حقیقی معنی میں تہذیب اجاگر ہوتی ہے جو انسانوں کی اجتماعی زندگی میں حسن بھی پیدا کرتی ہے اور سکون بھی (۴۸)۔

مصالحِ مرسلہ پر مالکی فقہاء کا بڑا وقیع کام ہے۔ فقہ مالکی کے ارتقاء اور وسعت پذیری میں اس کا نمایاں کردار رہا ہے۔ یہ اسلوب صرف فقہ مالکی تک محدود نہیں رہا بلکہ ظاہری کتبِ فکر کے علاوہ حنفی، شافعی اور حنبلی فقہاء نے بھی اسے بطور منہج و اسلوب استعمال کیا ہے۔

استدلال

مفہوم: فقہ اسلامی میں استدلال بھی اجتہاد کا ایک اہم منہج اور اسلوب ہے جو اپنے اندر بہت وسعت رکھتا ہے۔ اس میں عقل و تجربہ کے ذریعہ استنباط کے بے شمار طریقے شامل ہیں۔ معلوم قضایا کے ذریعے نامعلوم کو دریافت کرنے کی کوشش یا بعض چیزوں کے مشاہدہ اور مطالعہ کے ذریعہ کوئی ایسا نتیجہ اخذ کرنا جو پہلے سے معلوم نہ ہو وغیرہ۔ بسا اوقات کچھ قواعد و کلیات طے کر لیے جاتے ہیں پھر ان کو بنیاد بنا کر استدلال کیا جاتا ہے۔ مثلاً ایک قاعدہ ہے کہ مفید اور نفع مند اشیاء میں اصل اباحت ہے اور نقصان دہ یا ضرر رساں اشیاء میں اصل حرمت ہے۔ یہ قاعدہ قرآن حکیم کی اس آیتِ مبارکہ سے ماخوذ ہے: ﴿ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ﴾ [البقرۃ ۲: ۲۹] — وہی تو ہے جس نے تمام وہ چیزیں جو زمین میں موجود ہیں تمہارے لیے پیدا کیں یا ﴿ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ ﴾ [الاعراف ۷: ۱۵۷] ۔ پاکیزہ اور اچھی چیزیں ان کے لیے حلال قرار دیتے ہیں اور بری و ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں، اور آیت ﴿ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ﴾ [الاعراف ۷: ۳۲]۔

۴۸- الموافقات فی اصول الشریعۃ ۲/۹۰۳۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پوچھیے تو سہی کہ بھلا کون ان پاکیزہ چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کیا ہے۔ یہ اصول ان احکام ومسائل میں کارآمد ہوتا ہے جہاں قرآن وسنت خاموش ہوں اور کوئی اجماعی فیصلہ موجود نہ ہو۔

طرق استدلال: استدلال کے چند اہم طریقے مندرجہ ذیل ہیں:

دو حکموں کے مابین تلازم: استدلال کا ایک طریقہ التلازم بین الحکمین یعنی دو حکموں کو ایک دوسرے کے ساتھ بغیر کسی علت کی تعیین کے لازم کرنا ہے۔ اس کی مختلف اور متعدد صورتیں ہوتی ہیں جن میں منطقی استدلال کی صورتیں بھی شامل ہیں۔ فقہاء نے منطقی استدلال کو فقہی احکام کے استنباط کے لیے استعمال کیا ہے۔ شرعاً عقلی استدلال سے فقہی مسائل کے حل میں کوئی حرج نہیں بلکہ جہاں نص خاموش ہو وہاں عقل، غور وفکر اور علم وتجربہ سے نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے۔ (تفصیل ملاحظہ ہو: درسی اکائی نمبر ۹)۔

استقراء: یہ بھی استدلال کی ایک قسم ہے۔ اس صورت میں جزئیات کا بغور مطالعہ ومشاہدہ کیا جاتا ہے پھر ان کی بنیاد پر کوئی کلی حکم یا قاعدہ ثابت کیا جاتا ہے۔ اپنے علم، تجربہ اور عقلی صلاحیتیں کام میں لاکر دنیوی معاملات میں کچھ اصول وضع کر لینا انسانی فطرت کا حصہ ہے۔ شریعت اس فطری صلاحیت کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتی بلکہ ان صلاحیتوں کو اجاگر کرنے اور ان کے ذریعہ مسائل کے حل پر آمادہ کرتی ہے۔ (تفصیل ملاحظہ ہو: درسی اکائی نمبر ۹)۔

استصحاب حال: اس اصول کے تحت جو مسئلہ دلیل کے ساتھ ماضی میں ثابت ہو چکا ہو وہ محض شک کی وجہ سے تبدیل نہیں ہو جائے گا بلکہ ماضی میں جو حکم ثابت تھا وہی حکم اب حال میں بھی برقرار رکھا جائے گا تاوقتیکہ یہ حالت تبدیل ہونے کی کوئی دلیل موجود نہ ہو۔ مثلاً اگر کوئی شخص ایک عرصہ سے کسی مکان میں بطور کرایہ دار رہ رہا ہے۔ وہ ایک روز یہ دعویٰ کرے کہ وہ اس مکان کا مالک ہے تو اس کا یہ دعویٰ بغیر کسی معقول دلیل کے تسلیم نہیں کیا جائے گا بلکہ پہلے سے ثابت شدہ حقیقت ہی کو برقرار رکھا جائے گا۔ اس کی کرایہ دار کی حیثیت جو ماضی میں ثابت تھی وہ اب بھی باقی رہے گی۔ اگر کسی شخص نے وضو کیا تھا اور اسے علم ہے کہ وہ باوضو گھر سے نکلا تھا۔ پھر شک ہو گیا کہ کہیں وضو ٹوٹ تو نہیں گیا تو محض شک کی وجہ سے اصل حقیقت تبدیل نہیں ہوگی۔ ایسے فرد کو باوضو تصور کیا جائے گا۔ عہد رسالت میں بھی استصحاب پر عمل ہوتا رہا ہے۔ ایک شخص کے بارے بتایا گیا کہ اسے نماز کی حالت میں شبہ ہو جاتا ہے کہ اس کا وضو باقی ہے یا نہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص اس وقت تک نماز نہ توڑے جب تک اسے ہوا خارج ہونے کی آواز سنائی نہ دے یا بدبو نہ محسوس ہو (۴۹)۔

مالکی، شافعی اور حنبلی فقہاء استصحاب کو مطلق حجت مانتے ہیں۔ اس کے ذریعہ احکام ثابت بھی ہوتے ہیں اور ان کی نفی بھی

۴۹۔ الجامع الصحیح، کتاب الوضو، باب لا یتوضأ من الشک حتی یستیقن

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہوتی ہے۔ البتہ احناف کے ہاں اس کا دائرہ محدود ہے۔ ان کے نزدیک حقوق کے اثبات میں استصحاب حجت نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس اصول کے ذریعہ کسی کا دعویٰ ختم تو کیا جا سکتا ہے لیکن اس کا حق ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً مفقود الخبر کا مال بطور ترکہ ورثاء میں تقسیم نہیں کیا جائے گا۔ اسے زندہ ہی تصور کیا جائے گا جب تک اس کی موت کا ثبوت نہ مل جائے، نہ ہی مفقود الخبر کو اس کے غائب ہونے کے عرصہ میں اپنے کسی رشتہ دار کی موت پر ترکہ میں سے حصہ دیا جائے گا (۵۰)۔

استدلال کی یہ چند صورتیں ذکر کی گئی ہیں ورنہ اس میں اس قدر وسعت ہے کہ عقلی اور منطقی استدلال کی ہر ممکن صورت اختیار کی جا سکتی ہے۔ آئندہ بھی ان کے ذریعہ جو احکام و مسائل مستنبط ہوں گے وہ سب منہج استدلال میں شامل ہوں گے۔ مجتہد کی ایسی تمام کاوشیں فقہ اسلامی کا سرمایہ قرار پائیں گی۔

ذرائع

اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لیے فتح الذرائع: فقہاء کے ہاں ذرائع و وسائل کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ جو وسائل اعلیٰ مقاصد تک پہنچاتے ہوں یا ان کے حصول میں مدد و معاون ہوں وہ مطلوب ہیں۔ ان ذرائع و وسائل کو اختیار کیا جائے گا اور اگر وسائل پیدا کرنے کی ضرورت پیش آئے تو انہیں پیدا بھی کیا جائے گا تاکہ مقاصد کا حصول آسان ہو جائے۔ وسائل پیدا کرنے یا وسائل اختیار کرنے کا عمل ''فتح الذرائع'' کہلاتا ہے۔

منکرات کی روک تھام کے لیے سد الذرائع: جو وسائل مفاسد تک پہنچاتے ہوں، ان کی روک تھام ضروری ہے۔ جس طرح فواحش و منکرات اور ایسے اقوال و افعال کا ارتکاب جن سے فتنہ و فساد پھیلتا ہو، وہ سب ممنوع اور حرام قرار پاتے ہیں۔ فقہاء کی اصطلاح میں ان ذرائع و وسائل کی روک تھام ''سد الذرائع'' کہلاتی ہے۔ بسا اوقات ذرائع خود مباح ہوتے ہیں لیکن وہ کسی بڑی خرابی یا فساد کا سبب بنتے ہیں، فقہاء ایسی تمام راہوں کو مسدود کرتے ہیں۔

وسائل کو وہی حیثیت اور درجہ حاصل ہے جو مقاصد کا ہوتا ہے۔ اگر مقاصد ضروریات سے تعلق رکھتے ہیں تو ان کے وسائل بھی اسی درجہ کے ہوتے ہیں اور اگر مقاصد حاجیات یا تحسینیات سے متعلق ہوں تو ان کا درجہ ان مقاصد کے مطابق ہوتا ہے۔ بہر حال مقاصدِ شریعت کی تکمیل کے لیے ذرائع و وسائل اختیار کرنا پڑتے ہیں۔

بسا اوقات اسباب و ذرائع واضح ہوتے ہیں جنہیں عام انسان بھی سمجھ سکتا ہے لیکن بعض اوقات یہ واضح نہیں ہوتے اور ہر ایک کی نظر ان تک نہیں پہنچ سکتی۔ خصوصاً تہذیب و تمدن کے ارتقائی مراحل میں پیدا ہونے والے مسائل یا تہذیبوں کے اجتماع سے جو تغیرات پیدا ہوتے ہیں یا ذرائع ابلاغ سے پیدا ہونے والے مسائل۔ یہ وہ امور ہیں جن کا بہت ذہانت اور گہری نظر سے جائزہ لینا پڑتا

www.kitabosunnat.com

۵۰۔ الوصول الی الاصول ۲/۳۱۸، ۳۱۹

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

ہے۔اسی طرح بدلتے ہوئے حالات میں جونئی روایات قائم ہوتی ہیں یا نئی ایجادات کے وجود میں آنے سے جو امور پیدا ہوتے ہیں یا نئے افکار ونظریات پھیل رہے ہوں تو اصحاب رائے، اہل علم ودانش اور ارباب حل وعقد کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ان کے نتائج پر گہری نظر رکھیں اور اسباب ووسائل کا بھی ناقدانہ جائزہ لیں۔ جو چیزیں اسلامی فکر، اقدار اور تہذیب وتمدن سے ہم آہنگ ہوں اور امت مسلمہ کی مصلحتیں پورا کرتی ہوں، انہیں اختیار کیا جاسکتا ہے اور فروغ بھی دیا جاسکتا ہے۔لیکن جو چیزیں اسلامی فکر اور اقدار کے کسی بھی پہلو کو نقصان پہنچائیں، ان کی اور ان کے اسباب کی روک تھام ضروری ہے۔ اگر نئے پیدا ہونے والے افکار ونظریات یا دیگر امور ایسے ہوں جن کی زد براہ راست اسلامی عقائد، بنیادی تصورات، عبادات یا اخلاقی نظام پر پڑتی ہو تو ان کی فوری روک تھام ضروری ہے۔ ان کے اسباب ووسائل کا فوری سدباب کردیا جائے گا۔ اگر ان کے اثرات معاشرتی اور سیاسی زندگی پر پڑ رہے ہوں اور اثرات ملے جلے ہوں، کچھ مثبت اور کچھ منفی تو محتاط طریقہ سے ان کا جائزہ لینا ہوگا۔ اگر یہ ممکن ہو کہ ان میں کچھ اصلاحات کر کے ان کے منفی اثرات کو ختم کیا جاسکتا ہو تو ایسا کرنا ضروری ہو جاتا ہے اور انہیں اسلامی فکر واقدار سے ہم آہنگ کر کے قبول کیا جاسکتا ہے۔ اگر اصلاح ممکن نہ ہو یا ان کے منفی اثرات کا ازالہ نہ ہوسکتا ہو اور اہل علم ودانش یہ محسوس کریں کہ بالآخر ان کے منفی اثرات غالب ہوں گے جس سے اسلامی معاشرے میں فکری یا اخلاقی بے راہ روی یا دین سے انحراف پیدا ہوسکتا ہے تو سد الذرائع کے اصول پر عمل کرتے ہوئے ان کے وسائل وذرائع کی روک تھام کی جائے گی۔شریعت کی نظر میں مقاصد ونتائج اہمیت رکھتے ہیں، اسی لیے فقہاء بھی مقاصد کو اہمیت دیتے ہیں۔فقہ اسلامی کا معروف قاعدہ کلیہ ہے کہ ''الأمور بمقاصدها'' یعنی کاموں کا اعتبار ان کے نتائج اور مقاصد کے لحاظ سے ہوتا ہے۔

سد الذرائع کی مثالیں: فقہ اسلامی میں سد الذرائع کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً خواتین کو گھورنا غلط ہے، کیوں کہ یہ عمل فتنہ وفساد کا موجب ہوسکتا ہے۔قرآن کریم میں صرف زنا کی حرمت بیان نہیں کی گئی بلکہ وہ تمام اسباب بھی ممنوع اور حرام قرار دیے گئے ہیں جو فحاشی وبدکاری کا سبب بنتے ہیں۔اسی لیے قرآن حکیم نے یہ اسلوب اختیار کیا ہے:﴿ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ﴾[الاسراء۱۷:۳۲] زنا کے قریب بھی نہ پھٹکو کہ یہ بڑی بے حیائی کا کام اور غلط راستہ ہے۔اسی طرح فرمایا﴿ لَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ﴾[الانعام۶:۱۵۱] اور بے حیائی کے کاموں کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ ظاہری بے حیائی کے کام ہوں یا پوشیدہ۔ان آیات میں ''لاتقربوا'' کے الفاظ دلالت کر رہے ہیں کہ وہ تمام اسباب جو فحاشی اور بدکاری کی راہ پر ڈال دیں انہیں بھی ممنوع قرار دیا جائے گا۔

حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد میں اس شوہر کے ترکہ میں سے بیوی کو اس کا مقررہ حصہ دلایا جس نے مرض موت میں بیوی کو طلاق دے دی تھی۔ کیوں کہ مرض موت میں طلاق دینے کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ بیوی کو وراثت سے محروم کرنا چاہتا ہے۔حضرت عثمانؓ کے فیصلے نے اس قسم کے حیلہ کا راستہ روک دیا۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

قرآن حکیم جھوٹے خداؤں کو بھی برا بھلا کہنے سے اس لیے روکتا ہے کہ ان کو برا بھلا کہنا ذریعہ بنے گا کہ ان بتوں کے پرستار اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کر سکتے ہیں:

وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَیْرِ عِلْمٍ [الانعام ۶:۱۰۸]

تم لوگ برا بھلا نہ کہو ان کو جن کی یہ (بت پرست) اللہ تعالیٰ کے سوا پرستش کرتے ہیں اس لیے کہ پھر وہ اللہ کی شان میں بغیر علم کے گستاخی کریں گے۔

قرآن حکیم میں آذانِ جمعہ کے بعد کاروبار اور تجارتی لین دین پر پابندی عائد کی گئی ہے، کیوں کہ کاروبار میں مصروفیت جمعۃ المبارک کے اہتمام اور نماز سے غفلت کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ حافظ ابن قیمؒ نے سد الذرائع کی ایک سو مثالیں جمع کر دی ہیں۔ دلچسپی رکھنے والے حضرات ان مثالوں کا مطالعہ ان کی کتاب **اعلام الموقعین** میں کر سکتے ہیں (۵۱)۔

ذرائع کے باب میں بھی بڑی وسعت ہے۔ اسلامی تہذیب و روایت، اس کے قانون اور ضابطوں کی ترقی کے لیے ہر دور اور ہر زمانہ میں ضروری اسباب و ذرائع اختیار کیے جاتے رہیں گے۔ اسلامی معاشرہ میں خرابی، فساد اور برائی پیدا کرنے والے افعال و اعمال کے اسباب کی روک تھام بھی کی جاتی رہے گی۔ مجتہد اور فقیہ کی نظر جس طرح مقاصد پر رہتی ہے، اسی طرح وہ اسباب و ذرائع پر بھی گہری ناقدانہ نظر رکھتا ہے۔

اعتبارِ عرف و رواج

فقہاء کرام اجتہاد کے عمل میں عرف و رواج کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ یہ قدیم زمانہ سے ایک مأخذ کے طور پر استعمال ہوتا رہا ہے۔ ابن نجیم نے **شرح المغنی** کے حوالہ سے عرف کی یہ تعریف کی ہے کہ عادت وہ عمل ہے جو بار بار کرتے رہنے کی وجہ سے طبیعت و مزاج کا حصہ بن جائے اور طبعِ سلیم رکھنے والوں کے نزدیک وہ قابل قبول ہو (۵۲)۔

معاصر فقہاء نے عرف کی وضاحت اس طرح کی ہے: لوگوں کے معاملات میں عرف وہ ہے جس کے لوگ عادی ہو چکے ہوں اور معاملات کا دارومدار اس پر ہو (۵۳)۔

اعتبارِ عرف کی شرائط: شریعت نے بھی بعض شرائط کے ساتھ اس کا اعتبار کیا ہے اور فقیہ و مجتہد کے لیے ضروری قرار دیا ہے کہ وہ اپنے عہد کے عرف و رواج سے پوری طرح واقف ہو تاکہ وہ ایک طرف فقہی اصول و قواعد کو معاصر حالات پر منطبق کر سکے اور

۵۱۔ اعلام الموقعین ۳/۱۴۹ تا ۱۷۱

۵۲۔ الاشباہ والنظائر ۱/۹۴

۵۳۔ ابوزہرہ، اصول الفقہ ص ۲۷۴

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دوسری طرف مروجہ اصطلاحات، کلمات اور الفاظ کی تعبیر وتشریح عرف ورواج کے سیاق وسباق میں کر سکے۔ عرف وعادات کی اہمیت کا اندازہ فقہ اسلامی کے بعض قواعد کلیہ سے کیا جاسکتا ہے، مثلاً ایک مشہور قاعدہ ہے العادۃ محکمۃ عادت فیصلہ کن ہوتی ہے یا الحقیقۃ تترک بدلالۃ العادۃ دلالت عرف کی بنا پر اصل معانی ترک کر دیے جاتے ہیں۔

عہد رسالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور دور خلافت راشدہ میں صحابہ کرامؓ نے عرب کے قدیم رواج کی بہت سی عادات برقرار رکھیں۔ مثلاً عربوں کے ہاں یہ رواج تھا کہ وہ مکئی، جو، گندم اور دیگر اجناس کا لین دین کیل (حجم کی پیمائش کا آلہ) کے ذریعہ کیا کرتے تھے اور یہ تمام اجناس کیلی کہلاتی تھیں۔ سونا اور چاندی وغیرہ تول کر فروخت کیے جاتے تھے۔ یہ اشیاء وزنی کہلاتی تھیں۔ عہد رسالت میں بھی یہ اشیاء اسی طرح کیلی اور وزنی رہیں اور تمام تجارتی معاملات ان اوزان کے مطابق ہوتے رہے۔ زکوٰۃ و صدقات اور کفارات کے احکام کی تفصیل ان اوزان کے مطابق ہے (۵۴)۔ خرید وفروخت کے بعض قدیم طریقے بھی اسی طرح برقرار رکھے گئے۔ مثلاً بیع سلم، اجارہ، مضاربہ اور استصناع وغیرہ۔ ان کی تفصیل اور احکام کتب فقہ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

عہد رسالت میں قتل خطا کی دیت صرف سو اونٹ کی صورت میں ادا کی جاتی تھی۔ لیکن جب معاشی ترقی کی وجہ سے رواج میں تبدیلی آئی تو حضرت عمرؓ نے شہری علاقوں میں جہاں سونے اور چاندی کے سکے بطور کرنسی استعمال ہونے لگے تھے، درہم و دینار کی شکل میں دیت کی ادائیگی عائد کر دی (۵۵)۔

فقہاء کے نزدیک عرف کی اہمیت: فقہاء کے نزدیک قانونی مسائل کے حل میں عرف ورواج کا عمل دخل بھی ہوتا ہے، اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ فقہاء نے اعتبار عرف کے لیے کچھ شرائط بیان کی ہیں۔ مثلاً یہ کہ عرف نصوص شرعیہ کے خلاف نہ ہو، بوقت معاملہ یا بوقت قانون سازی وہ موجود ہو، وہ غالب اور عام ہو اور معاشرہ میں اس کا لحاظ رکھنا ضروری سمجھا جاتا ہو (۵۶)۔

قسم کے بہت سے احکام عرف ورواج پر مبنی ہیں۔ خرید وفروخت میں علاقہ کے تاجروں کا رواج بمنزلہ شرط قرار پاتا ہے۔ مثلاً بعض اشیاء خاص پیکنگ میں خریدار کو دی جاتی ہیں، اس پیکنگ کا ذکر عقد میں شامل نہیں ہوتا لیکن وہ عرف کی وجہ سے مشروط ہو جاتا ہے۔ مثلاً مشرق بعید (ملائیشیا، سنگاپور وغیرہ) میں یہ رواج ہے کہ بھاری اشیاء خریدار کے گھر تک پہنچانا دکاندار کی ذمہ داری ہے۔ چوں کہ وہاں یہ عام عرف ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص ریفریجریٹر یا کپڑے دھونے کی مشین خریدتا ہے تو عرفاً یہ ذمہ داری بائع کی ہوگی کہ خریدا ہوا مال خریدار کے گھر تک پہنچائے (بشرطیکہ خریدار اسی شہر میں رہائش پذیر ہو جس شہر میں اس نے یہ سامان خریدا ہے)۔ اسی طرح چھوٹی چھوٹی مشینیں اپنی مخصوص پیکنگ کے ساتھ ہی خریدار کے حوالے کی جاتی ہیں۔

۵۴۔ دارمی، السنن ۲/۲۵۷

۵۵۔ الموطا، کتاب العقول، باب العمل فی الدیت ۲/۱۸۱۔ الاصل ۴/۴۵۱، ۴۵۲

۵۶۔ ابن نجیم، الاشباہ و النظائر ۱/۱۰۴-۹۳

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

فقہاء کے نزدیک اگر اہلِ زمانہ کے عرف اور عرفِ شریعت میں تضاد ہو تو اہلِ زمانہ کے عرف کو ترجیح حاصل ہوتی ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص یہ قسم کھالے کہ وہ گوشت نہیں کھائے گا۔ پھر اس نے مچھلی کھالی تو اگر اس کے عرف میں مچھلی کے لیے گوشت کا لفظ نہیں بولا جاتا تو وہ اپنی قسم میں حانث (قسم توڑنے والا) نہیں ہوگا، اگرچہ قرآن کریم نے مچھلی کے لیے گوشت کا لفظ استعمال کیا ہے۔

اسی طرح اگر لغت اور عرف میں تعارض ہو تو بھی لغوی مفہوم ترک کر کے عرف میں رائج مفہوم قبول کیا جائے گا۔ مثلاً اگر کسی شخص نے قسم کھائی کہ وہ روٹی نہیں کھائے گا تو روٹی کے لفظ کا اطلاق عرف کے مطابق ہوگا۔ ہمارے ملک میں گندم کی روٹی کے لیے ہی اس لفظ کا استعمال ہوتا ہے لہذا گندم کی روٹی ہی مراد ہوگی، اگرچہ لغت میں چاول یا باجرہ وغیرہ کی روٹی پر بھی اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے۔ بعض اوقات ایک لفظ لغت میں ایک مفہوم رکھتا ہے لیکن عرف میں اس لفظ کا کوئی اور مفہوم ہے تو وہی معنی مراد لیے جائیں گے جو عرف میں رائج ہیں اور لغوی معنی ترک کر دیے جائیں گے (۵۷)۔ یہ چند مثالیں ہیں، ورنہ کتبِ فقہ میں اس کی تفصیلات موجود ہیں۔

فقہ اسلامی کے تمام مکاتب کے فقہاء نے عرف کی بنیاد پر احکام و مسائل کا استنباط کیا ہے۔ لیکن مالکی اور حنبلی فقہاء نے عرف و رواج کی معاشرتی اہمیت کو زیادہ اجاگر کیا ہے۔ ان دونوں مکاتب نے اچھے رسوم و رواج کو باقی رکھنے کے لیے استحسان اور مصالح مرسلہ سے خوب کام لیا ہے (۵۸)۔

وہ احکام جو عرف پر مبنی ہوتے ہیں، عرف تبدیل ہونے پر ان کے احکام بھی بدل جاتے ہیں۔ فقہاء نے عرف و رواج اور اس پر مبنی احکام پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ تفصیلات کے لیے ان کتب کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے (۵۹)۔

اجتہاد کا مشاورتی اسلوب

اجتماعی امور میں مشاورتی اجتہاد کی اہمیت: عہدِ نبوی اور عہدِ صحابہؓ میں اجتہاد کا عمل انفرادی طور پر بھی ہوتا رہا اور اجتماعی طور پر بھی۔ اہلِ علم اور مجتہد حضرات لوگوں کے ذاتی یا انفرادی امور سے متعلق مسائل میں غور و فکر کرتے اور اجتہاد کے ذریعہ کسی نتیجہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے تھے۔ لیکن امت کے اجتماعی امور میں ہمیشہ باہمی مشورہ سے اجتماعی اجتہاد ہوتا تھا۔ وحی الٰہی کا منشاء بھی یہی ہے کہ مسلمانوں کے باہمی معاملات مشورہ سے طے ہوں: ﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ [الشوریٰ ۴۲:۳۸] ان کے معاملات باہمی مشورہ سے طے ہوتے ہیں۔ اسی چیز کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا تھا ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ﴾ [آل عمران ۳:۱۵۹] اے محمد! آپ معاملات میں ان سے مشورہ کیجیے۔

۵۷۔ ابن نجیم، الاشباہ و النظائر ۱/۹۸-۹۷

۵۸۔ محمد یوسف فاروقی، Development Of Usul-al Fiqh، ص ۱۱۱-۱۱۰

۵۹۔ مثلاً ابن عابدین کا رسالہ، نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف (مجموعہ رسائل ابن عابدین میں: العرف و العادہ فی رای الفقہاء)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عہدِ رسالت میں مشاورتی اجتہاد: قرآن حکیم کے شورائی حکم پر عمل کرتے ہوئے صحابہ کرامؓ نے اجتہاد کے مشاورتی اسلوب کو اپنایا اور اہم ملی مسائل مثلاً جنگی منصوبہ بندی، انتظامی معاملات، تدبیر مملکت اور اجتماعی امور میں خاص طور پر مشاورتی اجتہاد کے ذریعہ مسائل کو حل کیا گیا۔ مثلاً غزوہ بدر میں مسلم مجاہدین کے لیے جنگی نقطہ نگاہ سے مناسب جگہ کا تعین، یا غزوہ احد میں اس بات کا فیصلہ کہ مدینہ منورہ کا دفاع شہر کے اندر رہ کر کیا جائے یا باہر نکل کر کیا جائے، باہمی مشورہ سے طے پایا تھا۔ غزوہ احزاب میں مدینہ منورہ کا محاصرہ شدت اختیار کر گیا اور اہلِ مدینہ پر بہت سخت وقت آ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب افواج کا زور توڑنے کے لیے ارادہ فرمایا کہ قبیلہ غطفان کے لوگوں کو اس بات پر راضی کر لیا جائے کہ وہ عربوں کی مشترکہ فوجی کارروائی سے الگ ہو جائیں اور اس کے عوض انہیں مدینہ منورہ کی کھجور کی پیداوار سے ایک تہائی حصہ دے دیا جائے۔ اس فارمولے پر مصالحت سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مدینہ کے نمایاں لیڈروں حضرت سعد بن معاذؓ اور حضرت سعد بن عبادہؓ سے مشورہ فرمایا۔ ان حضرات کے حوصلے بلند تھے۔ ان کی رائے میں ایک تہائی پیداوار پر مصالحت کا ابھی وقت نہیں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رائے سے اتفاق کیا اور غطفان سے مصالحت کا ارادہ ترک فرما دیا۔ صلح کا یہ معاہدہ اگر طے پا جاتا تو اس کے سیاسی و معاشرتی لحاظ سے دور رس نتائج برآمد ہوتے۔ مدینہ منورہ کی ایک بڑی آبادی اس سے متاثر ہوتی۔ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملہ میں اہلِ مدینہ کی قیادت سے مشورہ کے بعد فیصلہ فرمایا۔ آپ کا یہ فیصلہ مشاورتی اجتہاد کا نتیجہ تھا۔

عہدِ رسالت میں مشاورتی اجتہاد کی ایک اور اہم اور قابلِ غور مثال قبیلہ ہوازن کے جنگی قیدیوں کی رہائی ہے۔ غزوہ حنین (۸ھ) میں مسلمانوں کو کامیابی ہوئی تو بہت سے لوگ مسلمانوں کے ہاتھوں جنگی قیدی بنے۔ اختتام جنگ پر جب حالات معمول پر آئے تو قبیلہ ہوازن کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے لوگوں کی رہائی کی درخواست پیش کی۔ ان جنگی قیدیوں کا مسئلہ مشکل بھی تھا اور پیچیدہ بھی۔ اگر انہیں مدینہ منورہ میں رکھا جاتا تو اس کے یقیناً کچھ نفسیاتی اور سیاسی اثرات مرتب ہوتے اور اگر انہیں رہا کر دیا جاتا تو اس کے بھی نفسیاتی اور سیاسی اثرات ہوتے۔ لیکن اس دوسری صورت میں پہلی صورت سے بالکل مختلف اثرات مرتب ہوتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی رائے یہ تھی کہ ان لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے اور انہیں بغیر کسی معاوضہ کے رہا کر دیا جائے۔ آپ نے اپنی رائے کے مطابق از خود فیصلہ نہیں فرما دیا بلکہ نماز ظہر کے بعد یہ مسئلہ عامۃ المسلمین کے سامنے رکھا اور ان کی رائے لی۔ عام طور پر صحابہ کرامؓ اسی رائے کے حامی تھے جو رائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ مگر بعض افراد جو نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے اور ابھی اسلام کی اصل روح سے اچھی طرح واقف نہیں ہوئے تھے، انہیں اس میں تردد ہوا کہ دشمن کے ان قیدیوں کو جنہوں نے نہ صرف یہ کہ جنگ میں مسلمانوں کے خلاف شرکت کی بلکہ انہیں جانی و مالی نقصان بھی پہنچایا تھا، بغیر کسی معاوضہ کے رہا کر دیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب محسوس فرمایا کہ کچھ لوگ مخمصہ کا شکار ہیں اور کسی متفقہ فیصلہ پر نہیں پہنچ پا رہے ہیں تو آپ نے انہیں فرمایا کہ اپنے نمائندوں کو بھیجیں تاکہ ان سے اس مسئلہ پر گفتگو کی جا سکے۔ لوگ اس بات پر تیار ہو گئے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور انہوں نے اپنے قائدین کو مشورہ کے لیے آپ کی خدمت میں بھیج دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور لوگوں کے قائدین نے اس مسئلہ پر غور وفکر کیا اور باہمی مشورہ سے اس نتیجہ پر پہنچے کہ تمام جنگی قیدیوں کو فوری طور پر بغیر کسی معاوضہ کے رہا کر دیا جائے۔ مشاورتی مجلس کے اختتام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریباً چھ سو قیدیوں کو رہا کر دیا(۶۰)۔

مشاورتی اجتہاد اور خلفاء کا انتخاب: دور صحابہ میں شورائی اجتہاد کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ سب سے اہم اور مشکل مسئلہ جو مشاورتی اجتہاد کے ذریعہ حل کیا گیا وہ خلیفہ کا انتخاب تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خلیفہ کا انتخاب محض ایک سیاسی یا انتظامی معاملہ نہیں بلکہ ایک بنیادی فقہی مسئلہ بھی تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد صحابہ کرامؓ نے اس موضوع پر انفرادی طور پر بھی غور وفکر کیا اور اجتماعی طور پر بھی۔ سقیفہ بنو ساعدہ میں اس موضوع پر بحث وگفتگو ہوئی اور مختلف زاویوں سے متعدد پہلوؤں پر غور وفکر کیا گیا۔ اس مشاورتی مجلس کے چند پہلو اہم ہیں۔ سب سے اہم یہ کہ اس مجلس سے مشاورتی اجتہاد کی ایک دستوری حیثیت قائم ہوئی۔ اس مشاورت میں اجتہاد کے بعض اسالیب بھی سامنے آئے۔ مثلاً یہ کہ تعیینِ خلیفہ کے فیصلہ میں اس دور کی امت مسلمہ کی سیاسی واجتماعی مصلحتوں کو بھی پیش نظر رکھا گیا۔ اجتہاد کا ایک اسلوب حضرت عمرؓ کے طریق استدلال میں نظر آتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی تائید کرتے ہوئے فرمایا کہ ابوبکرؓ وہ فرد ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں امت کا امام مقرر فرمادیا تھا، یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف یہ کہ ابوبکرؓ سے بوقت رحلت خوش تھے بلکہ ان کی دینی قیادت پر بھی مکمل اعتماد تھا۔ لہٰذا ہمیں اپنے اجتماعی اور انتظامی امور میں بھی ان کی قیادت پر اعتماد کرنا چاہیے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جسے مقرر فرمادیں اسے دوسرے لوگ ہٹادیں! اس استدلال میں عقل وذہانت پوری طرح کارفرما نظر آتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے انتظامی اور سیاسی امور میں قیادت کو دینی امور میں قیادت پر قیاس کرتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ کی تائید کی۔ اسے سقیفہ بنو ساعدہ میں موجود تقریباً سب ہی لوگوں نے قبول کیا۔ اس اجتماعی اور مشاورتی اجتہاد ہی نے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کی راہ ہموار کی(۶۱)۔

حضرت ابوبکرؓ نے اپنے آخری دور میں اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کے معاملہ میں ہر پہلو سے غور وفکر کیا۔ خاص طور پر اس پہلو سے کہ ان کے بعد امت مسلمہ کی قیادت اور خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لیے کون سب سے زیادہ موزوں ومناسب ہوگا، اور یہ کہ عامۃ المسلمین کس کی قیادت کو قبول کریں گے۔ حضرت ابوبکرؓ کی رائے میں حضرت عمرؓ سب سے زیادہ مناسب اور باصلاحیت فرد تھے۔ یہ حضرت ابوبکرؓ کا انفرادی اجتہاد تھا۔ دوسرے مرحلہ پر حضرت ابوبکرؓ نے اس موضوع پر بعض نمایاں لوگوں سے مشورے کیے۔

۶۰۔ الجامع الصحیح ۸۹/۳

۶۱۔ تاریخ الامم و الملوک ۲۰۶/۳-۲۰۲

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سب سے پہلے ان افراد سے مشورہ کیا جو خود بھی خلافت کی صلاحیت رکھتے تھے اور ان کی قائدانہ حیثیت مسلم تھی۔ مثلاً حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اور حضرت عثمانؓ۔ حضرت عثمانؓ نے تو پوری طرح حضرت ابوبکرؓ کی رائے سے اتفاق کیا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ بھی حضرت عمرؓ کی قائدانہ صلاحیتوں کے معترف تھے، البتہ انہوں نے یہ اندیشہ ظاہر کیا کہ حضرت عمرؓ کے مزاج میں سختی ہے، ایسا نہ ہو کہ ان کی یہ سختی امت کے لیے تنگی کا سبب بنے۔ حضرت ابوبکرؓ نے جو حضرت عمرؓ کے مزاج اور ان کی نفسیات سے اچھی طرح واقف تھے، اس سوال کا جواب یہ دیا کہ فی الوقت تو عمرؓ کی سختی ایک توازن پیدا کرتی ہے اس لیے کہ میرے مزاج میں بہت نرمی ہے۔ البتہ جب حضرت عمرؓ پر تمام تر ذمہ داری آ جائے گی تو ان میں یہ شدت باقی نہیں رہے گی۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اس جواب پر مطمئن ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے مشورہ کا دائرہ وسیع کر دیا اور حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت اسید بن حضیرؓ اور بعض دیگر حضرات سے بھی رائے لی۔ سب ہی حضرت عمرؓ کی صلاحیتوں اور قابلیت کے معترف تھے۔ البتہ حضرت طلحہؓ نے بھی وہی خدشہ ظاہر کیا جو حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کر چکے تھے۔ انہیں بھی حضرت ابوبکرؓ نے یہی کہا کہ میری خلافت میں ان کی شدت کی ضرورت ہے تاکہ اعتدال اور توازن قائم رہے، جب ان کے کاندھوں پر بارِ خلافت آئے گا تو پھر ان میں سختی اور شدت باقی نہیں رہے گی۔

حضرت ابوبکرؓ اس مسئلہ میں خود اجتہاد کر رہے تھے، اس لیے وہ ہر پہلو پوری دیانت داری اور ذمہ داری کے ساتھ پرکھ رہے تھے۔ انہوں نے ملتِ اسلامیہ کی ضرورت، دین کا قیام اور عالمی تناظر میں امتِ مسلمہ کے کردار کا جائزہ لیا۔ ساتھ ہی حضرت عمرؓ کی طبیعت اور ان کے مزاج کو بھی پرکھا اور ایک نتیجہ تک پہنچے۔ اجتہاد ایک دینی اصول ہے، مجتہد اس کی شرائط کو ملحوظ رکھتا ہے، اپنے اس سارے عمل میں پوری دیانت داری اور اخلاص سے کام لیتا ہے اور علم اور دلیل کی بنیاد پر اپنی رائے ظاہر کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے لوگوں کو آمادہ کرنے میں مشکلات پیش نہیں آتیں۔

اس مشاورتی مرحلہ میں جب حضرت ابوبکرؓ نے قائدینِ امت کو مطمئن پایا تو لوگوں کے نام ایک تحریر لکھ دی جس میں حضرت عمرؓ کو خلافت کے لیے تجویز کیا گیا تھا۔ یہ تحریر شورائی اجتہاد کے نتیجہ میں لکھی گئی اور اسے مسجد میں عام لوگوں کے سامنے پڑھ کر سنایا گیا۔ مسجد میں موجود تمام افراد نے اس رائے سے اتفاق کیا اور حضرت عمرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے انہیں اپنا دوسرا خلیفہ منتخب کر لیا (۶۲)۔

حضرت عمرؓ کے انتخاب کے بعد متعدد مراحل نظر آتے ہیں جن میں سے ہر مرحلہ میں اجتہاد کی کوئی نہ کوئی صورت پائی جاتی ہے۔ ابتدائی مرحلہ میں انفرادی اجتہاد ہوا جس میں حضرت ابوبکرؓ نے امت کے مجموعی مفاد اور قیامِ دین کی مصلحتوں کو پیشِ نظر رکھا۔ آپؓ کے الفاظ ہیں: اللہ کی قسم! میں نے صحیح نتیجہ تک پہنچنے کے لیے اجتہاد کیا اور حتی المقدور کوشش کی کہ صحیح نتیجہ تک پہنچوں (۶۳)۔

۶۲۔ تاریخ الامم و الملوک ۲۰۲/۳

۶۳۔ اسدالغابۃ ۶۹/۴

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دوسرے اور تیسرے مرحلے میں شورائی یا اجتماعی اجتہاد عمل میں آیا جس کے نتیجہ میں حضرت عمرؓ کی قیادت پر اعتماد کیا گیا۔

حضرت عمرؓ نے بھی اپنے آخری ایام میں اختیار خلیفہ کے لیے اجتہاد کا عمل شروع کر دیا تھا۔ انہوں نے بہت غور وفکر کے بعد ایک کمیٹی تشکیل دی تھی جو تاریخ میں شوریٰ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ کمیٹی سات افراد پر مشتمل تھی: حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ اس کے ممبر تھے۔ ساتویں ممبر حضرت عبداللہ بن عمرؓ تھے جو صرف مشورہ میں شریک رہنے اور شوریٰ کو منظم کرنے کے ذمہ دار تھے۔ اس مجلس کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ اول الذکر چھ ممبران میں سے کسی ایک کو باہمی مشورہ سے خلیفہ مقرر کر لے۔ اس شورائی کمیٹی نے مشورہ کا دائرہ اپنے تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ اس میں عام لوگوں کو بھی شامل کر لیا۔ آخر میں صرف دو امیدوار رہ گئے تو ان کے بارے میں مدینہ منورہ میں عام لوگوں سے رائے لی گئی۔ بعض لوگوں کو کمیٹی نے مدینہ سے باہر جانے والی شاہراہوں پر مقرر کر دیا تاکہ وہ مدینہ منورہ آنے اور اس سے باہر جانے والے افراد اور قافلوں سے بھی رائے معلوم کریں، حتی کہ خواتین کو بھی مشورہ میں شریک کیا گیا۔ اس طرح مشورہ کا دائرہ اس انتخاب میں بہت وسیع ہو گیا تھا (۶۴)۔

چوتھے خلیفہ حضرت علیؓ کا انتخاب بہت ہنگامی حالات میں عمل میں آیا تھا۔ حضرت عثمانؓ باغیوں کے ہاتھوں شہید ہو چکے تھے۔ بظاہر کوئی ایسی واحد شخصیت نمایاں نہ تھی جو تمام صورت حال کو کنٹرول اور امت مسلمہ کو متحد رکھ سکتی۔ حضرت علیؓ کی شخصیت البتہ ایسی تھی جس کی طرف لوگوں کی نظریں اٹھتی تھیں۔ وہ یقیناً امت مسلمہ کی رہنمائی فرما سکتے تھے لیکن حضرت علیؓ کے انتخاب کے عمل میں یہ خلا پیدا ہو گیا کہ اس وقت کوئی خلیفہ موجود نہیں تھا جو اپنی اجتہادی رائے پیش کرتا یا اجتماعی اجتہاد کو اس مسئلہ کے لیے منظم کرتا۔ اس ہنگامی صورت حال سے نکلنے کے لیے صحابہ کرامؓ کے ایک طبقہ نے از خود غور وفکر کیا۔ ان کی رائے میں حضرت علیؓ خلافت کے لیے سب سے زیادہ مناسب فرد تھے۔ یہ لوگ حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے درخواست کی کہ وہ خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ حضرت علیؓ نے شروع میں انکار کیا لیکن صحابہ کرامؓ کے مختلف گروہ ان سے ملتے رہے اور انہیں اس ذمہ داری پر آمادہ کرتے رہے۔ اس دوران حضرت علیؓ کو بھی موقعہ ملا کہ وہ بھی اس معاملہ پر غور وفکر کریں اور اپنی رائے و اجتہاد کی روشنی میں کسی فیصلہ پر پہنچنے کی کوشش کریں۔ جب حضرت علیؓ کو خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالنے پر آمادہ کرنے والوں کا اصرار بہت بڑھ گیا تو حضرت علیؓ نے انہیں صاف صاف بتا دیا کہ خلافت کا معاملہ گھر یا کسی خفیہ مقام پر حل نہیں کیا جا سکتا۔ اس مسئلہ میں عام لوگوں کی رائے بھی شامل ہونی چاہیے، خاص طور پر اہل مدینہ کی رائے اور مشورہ بہت ضروری ہے۔ حضرت علیؓ کے مشورہ سے ان سب لوگوں کا مسجد میں اجتماع ہوا جہاں باہمی مشورہ سے حضرت علیؓ کا انتخاب عمل میں آیا۔ اس اجتماع میں انصار ومہاجرین کی اچھی خاصی تعداد شریک تھی جنہوں نے حضرت علیؓ کو خلیفہ منتخب کیا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی (۶۵)۔

۶۴۔ الاحکام السلطانیۃ ص۲۱۰۔ تاریخ الامم والملوک ۴/۲۲۸

۶۵۔ تاریخ الامم والملوک ۴/۳۵-۴۲۷

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شورائی اجتہاد کی یہ چند مثالیں ہیں جن کا امت مسلمہ کی اجتماعی اور دستوری زندگی کے اہم پہلوؤں سے گہرا تعلق ہے اور جو مستقبل کے اجتماعی معاملات کے لیے بھی رہنما اصول فراہم کرتی ہیں۔ سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ ملتِ اسلامیہ کے اہلِ علم و دانش اور ارباب حل وعقد کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ امت کے اجتماعی امور میں پوری دیانت داری اور اخلاص کے ساتھ غور وفکر کرتے رہا کریں، باہم ایک دوسرے سے مشورے کیا کریں اور اپنے غور وفکر اور باہمی مشوروں کے نتائج سے عام لوگوں کو بھی آگاہ کرتے رہا کریں۔ ان دانشوروں کی بلند و مثبت فکر، ان کا تعمیری اور تخلیقی اندازِ گفتگو اور ذہانت و دانائی پر مبنی قوتِ استدلال عام لوگوں خاص طور پر نئی نسل کی تعلیم و تربیت کا ذریعہ ثابت ہوگا اور لوگوں کے فکری رجحانات کی صحیح جہت میں رہنمائی کا سبب بھی بنے گا۔

مندرجہ بالا بحث سے یہ اصول نمایاں ہوتا ہے کہ اجتماعی امور میں شورائی اجتہاد کو بنیاد بننا چاہیے۔ خود اجتہاد بہت سی لغزشوں اور خامیوں سے محفوظ کرتا ہے، پھر شورائی اجتہاد لغزشوں کے امکانات کو مزید کم کر دیتا ہے۔

مذکورہ مثالوں سے ایک اور اصولی بات یہ بھی واضح ہوتی ہے کہ شوریٰ کا طریقِ کار حالات اور ضروریات کے مطابق تبدیل ہو سکتا ہے جیسا کہ خلفائے راشدین کے انتخاب میں ہمیں نظر آتا ہے۔ اجتماعی اجتہاد سب کے انتخاب میں مشترک رہا ہے لیکن اس کا طریقِ کار اور اسلوب احوال وظروف کے لحاظ سے مختلف رہا ہے۔ شورائی اجتہاد ہی وہ اسلوب ہے جو اجماع کے انعقاد میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ شورائی فیصلوں کے ذریعہ مسلم امت کی وحدت مستحکم ہوتی ہے۔ باہمی اجتماعی فیصلوں سے افرادِ ملت میں باہمی محبت اور اجتماعی امور میں باہمی تعاون کا جذبہ بڑھتا اور مضبوط ہوتا ہے۔ اسی بنیاد پر بعض فقہاء نے کہا ہے کہ الشوریٰ من قواعد الشریعة و عزائم الأحکام یعنی شوریٰ شریعت کے مستحکم قواعد اور بنیادی احکام سے تعلق رکھتا ہے(۶۶)۔

اجماع

اجماع اور اجتہاد: اجماع، بقول مولانا امین احسن اصلاحیؒ، اجتہاد ہی کی ایک صورت ہے(۶۷)۔ آغاز میں ایک مسئلہ اجتہادی مراحل سے گزرتا ہے، پھر علم و دلیل کی قوت اور لوگوں کے لیے قابلِ قبول ہونے کی وجہ سے قبول ہوتا چلا جاتا ہے اور بالآخر اجماع کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

اجماع کے انعقاد میں شوریٰ کا کردار بہت بنیادی اور اہم ہوتا ہے۔ عام طور پر ان اجتہادی آراء کو زیادہ مقبولیت حاصل ہوتی ہے جو شوریٰ کے عمل سے نکل کر اہلِ علم اور عوام تک پہنچی ہوں۔ اس لیے کہ باہمی مشورہ سے جہاں مسئلہ کا ہر ہر پہلو اجاگر ہو جاتا

۶۶- الجامع لأحکام القرآن ۴/۲۴۹

۶۷- امین احسن اصلاحی، Islamic Law: Concept and codification ص ۲۸-۲۷

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہے وہاں اس کے عملی اور تطبیقی پہلو کو بھی اچھی طرح جانچ پرکھ لیا جاتا ہے۔ یوں لوگوں میں اس کی قبولیت اور عملی زندگی میں اسے اپنانے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔

اجماع کی سند قرآن کریم سے: قرآنِ حکیم کی متعدد آیات میں مسلم امۃ کی وحدت اور ان کے باہمی اتفاق کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً ﴿ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ﴾[آلِ عمران ۳:۱۰۳] سب مل کر اللہ تعالیٰ کے دین کو مضبوطی سے تھام لو اور گروہ بندی کا شکار نہ بنو۔ اسی طرح ﴿ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴾[الانبیاء ۲۱:۹۲] یقیناً یہ آپ کی امت ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں، پس صرف میری عبادت کرو۔

یہ اور اس قسم کی متعدد آیات اس بات پر آمادہ کرتی ہیں کہ مسلمان اپنے اہم معاملات میں اس طرح فیصلے کریں کہ امت کی وحدت اور اتحاد و اتفاق کو استحکام حاصل ہو۔ چناں چہ دورِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد خلفاء راشدین میں اجتماعی فیصلوں کے ذریعہ اجماع تک پہنچنے کی شعوری کوششیں ہوتی رہیں۔

بعض فقہاء اجماع کی حجیت پر استدلال شہادتِ حق کے تصور سے کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں مسلم امت کا یہ فرض ہے کہ وہ دنیا بھر میں شہادتِ حق کا فریضہ انجام دے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا[البقرۃ ۲:۱۴۳]

اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک معتدل امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول تم پر گواہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس امت کو عدل کے ساتھ موصوف کیا ہے۔ امتِ عادلہ کا عزم و اتفاق حجت ہے اور اس کی متفقہ رائے واجب العمل ہے۔ اس امت کے اجتماعی شعور نے جس چیز کو قبول کر لیا ہو، اس سے کسی کا نکل جانا ممنوع اور امت میں افتراق پھیلانے کے مترادف ہے:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ [النساء ۴:۱۱۵]

اور جو شخص راہِ ہدایت معلوم ہو جانے کے بعد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے اور اہلِ ایمان کے راستہ سے ہٹ کر کوئی دوسرا راستہ اختیار کرے گا، ہم اسے اسی راہ پر چلنے دیں گے جس راہ پر وہ چل پڑا ہے، اور ہم اسے (اس کے نتیجہ میں) جہنم میں پہنچا دیں گے۔

اس آیت کا آخری حصہ اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ اہلِ ایمان نے مل جُل کر جو ایک طریق کار اور راستہ طے کر لیا ہو وہ ایک حجت اور مضبوط دلیل ہے، اسے چھوڑ کر دوسرا طریقہ اختیار کرنا صحیح نہیں ہے (۶۸)۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے

۶۸۔ الفصول فی الاصول ۲/۱۰۷، ۱۱۱

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لا تتفق امتی علی الضلالۃ میری امت گمراہی پر متفق نہیں ہوگی۔(۶۹)۔بعض صحابہ کرامؓ کے آثار میں بھی یہ تصور ملتا ہے۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا ما راٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔(۷۰)۔معلوم ہوا کہ جس بات پر امت متحد و متفق ہو جائے وہی بات شریعت کا منشاء ہوگی۔

اجماع کے بارے میں رسول اللہ کا تربیتی اسلوب: عہد رسالت میں ایسی متعدد مثالیں ملتی ہیں جنہیں اجماع سے مماثل قرار دیا جا سکتا ہے۔یہ مثالیں فی الاصل شوریٰ کی ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کا شورائی اسلوب اجماع کے عمل میں کام آتا رہا ہے۔اگر اس دور میں اجتہاد ہوتا تھا اور صحابہ کرامؓ میں رائے کا اختلاف بھی ہوتا تھا تو یقیناً ان کی اختلافی رائے علم و دلیل کی بنیاد پر اتفاق میں بھی تبدیل ہوتی رہی ہوگی۔پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کو معاملات میں باہم مشورہ کا حکم دیا گیا تھا تو یقیناً وہ مشورہ کے نتیجہ میں کسی متفقہ رائے پر بھی پہنچتے ہوں گے۔سیرت طیبہ میں ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کر کے ایک متفقہ لائحہ عمل طے کیا۔شاید ہم اسے اصطلاحی مفہوم میں اجماع تو نہ قرار دے سکیں البتہ یہ طرزِ عمل اجماع کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تربیتی اسلوب ضرور تھا۔مثلاً قبیلہ ہوازن کے جنگی قیدیوں کی رہائی کا مسئلہ جو ایک اہم فقہی مسئلہ تھا، باہم مشورہ سے بالاتفاق طے پایا تھا(۷۱)۔

دورِ جدید کی ضرورت اور طریق کار: اجماع ایک ایسا اصول ہے جو امت مسلمہ کے اجتماعی، سیاسی، دستوری اور دیگر اہم قانونی مسائل کے حل میں رہنمائی کرتا ہے۔صحابہ کرامؓ نے اپنے دور میں خلافت کے انعقاد اور اسی قسم کے دیگر اہم مسائل کو حل کرنے کے لیے نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ یہ اصول استعمال کیا۔آج بھی ہمارے بہت سے اجتماعی امور ایسے ہیں جنہیں ہم اس شرعی اصول کی بنیاد پر حل کر سکتے ہیں۔ہمارے فقہاء، علماء و دانشور اور سیاسی بصیرت رکھنے والے قائدین اگر اس طرف توجہ کریں اور اجماع کو ایک ادارے کی شکل دے کر اپنے مسائل کو اتحاد و اتفاق کے ذریعہ حل کرنے کی کوشش کریں تو یقیناً اس کے بہت تعمیری اور دور رس اثرات ہوں گے۔اس کام کو انجام دینے کے لیے سب سے پہلے اس بات کی ضرورت پیش آئے گی کہ شورائی اجتہاد کو فروغ دیا جائے۔ذرائع ابلاغ کی ترقی اور تیز رفتاری نے بہت سی سہولتیں پیدا کر دی ہیں۔ان سے بھرپور فائدہ اٹھا کر اجتماعی اجتہاد کا عمل شروع کیا جا سکتا ہے۔یہ کام اگر اخلاص کے ساتھ شروع کیا جائے تو علم اور دلیل کی بنیاد پر بعض اجتماعی امور میں اجماع کی طرف پیش رفت کی جا سکتی ہے(۷۲)۔

۶۹۔ الاحکام فی اصول الاحکام ۲۱۹/۱

۷۰۔ ایضاً

۷۱۔ الجامع الصحیح ۸۹/۳

۷۲۔ مزید تفصیلات کے لیے دیکھئے، Development of Usul al-Fiqh کا دوسرا باب Principle of Ijma

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دورِ جدید میں اسالیبِ اجتہاد کی افادیت

اجتہاد کے جن مناہج واسالیب پر یہاں بحث کی گئی ہے، یہ فقہاء کے ہاں صدیوں سے استدلال واستنباط کے مناہج کے طور پر استعمال ہوتے رہے ہیں۔ ان کی افادیت آج کے دور میں اسی طرح باقی ہے جس طرح ماضی میں تھی۔ آج کے زمانہ میں اجتہاد کی ضرورت، اہمیت اور افادیت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ لیکن اس بات سے بھی کوئی ذی ہوش انکار نہیں کرسکتا کہ اجتہاد وہی لوگ کرسکتے ہیں جو واقعتاً اجتہاد کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں، قانونی مسائل کو سمجھتے ہوں، اس کے مآخذ ومصادر پر ان کی نظر ہو، اجتہاد کے اسالیب ومناہج پر ان کی قدرت ہو، فقہی وقانونی ادب کا سرمایہ ان کی نظر میں ہو اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کی عملی زندگی دین کے تقاضوں کے مطابق ہو۔ ایسے اہلِ علم کا یہ فرض ہے کہ وہ امتِ مسلمہ کی رہنمائی کرتے رہیں، البتہ اجتہاد اور آزادی رائے کے پردے میں دین کی بنیادوں کو منہدم کرنے یا اس کی روح اور حقیقت کو تبدیل کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

موجودہ دور میں ترقی اور ایجادات کی رفتار بہت تیز ہے۔ ذرائع ابلاغ اور رسل ورسائل کی تیز رفتاری نے جہاں سہولتیں پیدا کی ہیں وہاں مسائل کو بھی جنم دیا ہے۔ مسائل ہر دور اور ہر زمانہ میں پیدا ہوتے ہیں۔ جب مسائل پیدا ہوتے ہیں تب ہی ان کا حل بھی سامنے آتا ہے، اس لیے مسائل سے کبھی نہیں گھبرانا چاہیے۔ پریشانی تو اس وقت ہوتی ہے جب مشکلات اور مسائل تو درپیش ہوں لیکن ان کا مقابلہ کرنے اور ان کو حل کرنے کے لیے کوئی راستہ نہ ہو اور نہ کوئی معقول ومناسب جدوجہد کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بنیادی مآخذ کے طور پر ہمارے پاس موجود ہیں۔ اگر ان میں صریح حکم موجود ہے تو

اس پر عمل ضروری ہے۔ اگر صریح حکم موجود نہیں تو یہ دیکھنا ہوگا کہ کہیں دلالتاً، اشارتاً یا اقتضاءً مسئلہ کا کوئی حکم ملتا ہے، اگر ملتا ہے تو اسی پر عمل کیا جائے گا۔ یقینی بات ہے کہ کلامِ الٰہی کے دلالات کو سمجھنے کے لیے قرآن حکیم اور عربی زبان کے اسلوب کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔ اگر یہاں بھی مسئلہ کا حل نہ ملے تو پھر اجتہاد کے ان اسالیب ومناہج کو سامنے رکھ کر اجتہاد کیا جاسکتا ہے۔ اہلِ اجتہاد کا یہ فرض ہے اور انہیں یہ فریضہ انجام دیتے رہنا چاہیے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ [العنکبوت ۲۹:۶۹]

جو لوگ ہماری راہ میں جدوجہد کرتے ہیں ہم یقیناً انہیں اپنے تک پہنچنے کی راہیں سجھا دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تو یقیناً بھلائی کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اہم نکات

۱۔ عہد رسالت اور صحابہ کرامؓ کے دور میں اجتہاد کے مفہوم میں بڑی وسعت تھی اور یہ تمام شعبہ ہائے زندگی پر محیط تھا۔

۲۔ مناہج واسالیب اجتہاد میں سب سے مستحکم اور مضبوط اسلوب قیاس ہے جس میں اصل اور فرع کے مابین اشتراک علت کی بنا پر اصل کا حکم فرع پر نافذ کر دیا جاتا ہے۔

۳۔ شرح صدر جو قلب انسانی کی وسعت، طمانیت اور سکون کا نام ہے، کا اجتہاد کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ شرح صدر سے ایک مجتہد ان امور کا ادراک کر لیتا ہے جو ظاہری نگاہوں سے مستور ہوتے ہیں۔

۴۔ اجتہاد کا دوسرا اہم اسلوب استحسان ہے جس نے اجتہاد کا دائرہ وسیع کر دیا ہے۔ اس کا بنیادی فلسفہ یہ ہے کہ لوگوں کے لیے اجتماعی امور میں سہولت پیدا کی جائے اور مشکلات و دشواریوں کو دور کیا جائے۔

۵۔ مصلحہ مرسلہ کے اصول میں انسانی مصلحت اور ضرورت کے تحفظ کو بنیاد بنا کر اجتہاد کیا جاتا ہے اور مصالح عامہ اور منشائے شریعت دونوں میں توافق قائم رکھتے ہوئے انسانی مسائل کا حل پیش کیا جاتا ہے۔

۶۔ استدلال بھی ایک اہم اسلوب اجتہاد ہے۔ اس میں عقل و تجربہ کے ذریعے متعدد طریقوں سے احکام کا استنباط کیا جاتا ہے۔ مثلاً دو حکموں کے مابین تلازم، استقراء اور استصحاب حال وغیرہ۔

۷۔ اعلیٰ مقاصد تک پہنچانے یا ان کے حصول میں ممد و معاون ذرائع اور وسائل کا اختیار کرنا، یا نئے ذرائع پیدا کرنا بھی اسالیب اجتہاد میں سے ہے۔ جو وسائل اعلیٰ مقاصد کے بجائے مفاسد تک پہنچاتے ہوں ان کی روک تھام بھی اجتہاد کا ایک اسلوب ہے۔ یہ دونوں طریقے بالترتیب فتح الذرائع اور سدّ الذرائع کہلاتے ہیں۔

۸۔ اسالیب اجتہاد میں ایک اہم سلوب عرف و رواج کا اعتبار ہے۔ اجتہاد کے عمل میں ایسے عرف و رواج کا اعتبار کیا جائے گا جو نصوص شرعیہ کے خلاف نہ ہو، جو معاشرے میں غالب اور عام ہو اور جس کا لحاظ رکھنا ضروری ہو۔

۹۔ اجتہاد کا ایک اہم اسلوب مشاورت ہے۔ امت مسلمہ کے اجتماعی امور میں ہمیشہ مشاورت سے اجتہاد ہوتا رہا ہے۔ عہد رسالت اور عہد صحابہ کرامؓ میں اس کی روشن مثالیں موجود ہیں۔

۱۰۔ اجماع بھی اجتہاد کے نتیجہ میں وجود میں آتا ہے، جس پر عہد رسالت سے عمل کیا گیا ہے۔ اجتماعی مشاورتی اجتہاد کی متفقہ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شکل اجماع ہے۔

۱۱۔ نئے مسائل کے پیش آنے پر گھبرانے کے بجائے کتاب وسنت سے رہنمائی لینی چاہیے، اگر وہاں سے صریح حکم نہ ملے تو پھر اجتہاد کے ان مناہج واسالیب کو سامنے رکھ کر اجتہاد کرنا مجتہدینِ امت کی ذمہ داری ہے

کتب برائے مزید مطالعہ

۱۔ مقدمہ تدوین فقہ از مولانا مناظر احسن گیلانی، مکتبہ رشیدیہ، لاہور۔

۲۔ اجتہاد از محمد تقی امینی، ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور۔

۳۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر از محمد تقی امینی، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور۔

۴۔ اجتہاد اور تبدیلی احکام از مولانا مجیب اللہ ندوی، دیال سنگھ لائبریری، لاہور۔

۵۔ مسئلہ اجتہاد از محمد حنیف ندوی، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور۔

مصادر ومراجع

- آمدی الإحکام فی اصول الأحکام، المکتب الاسلامی، بیروت ۱۴۰۲ھ
- ابن الاثیر، اسد الغابۃ، المکتبۃ الاسلامیہ، ۱۲۸۶ھ
- ابن نجیم، الاشباہ والنظائر، مکتبہ نزار، ریاض ۱۹۹۷ء/ ۱۴۱۸ھ
- ابن قیمؒ، اعلام الموقعین، دار الفکر، بیروت، سال اشاعت ندارد
- ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، دار النہضۃ، بیروت، ۱۹۹۶ء/ ۱۳۱۷ھ
- ابوداؤد، سنن ابو داؤد، فرید بک سٹال، اردو بازار لاہور ۱۹۵۸ء
- ابوزہرہ، اصول الفقہ، دار الفکر، قاہرہ، سال اشاعت ندارد

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

- احمد بن علی البغدادی، الوصول الی الاصول، مکتبۃ المعارف، ریاض، ۱۹۸۴ء/۱۴۰۴ھ
- اصلاحی، امین احسن، Islamic Law: Concept and codification، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، 1979ء
- باجی، الاشارۃ فی اصول الفقہ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکۃ المکرمہ ۱۹۹۷ء
- بزدوی، علی بن محمد، کنز الوصول الی معرفۃ الاصول، نور محمد، کارخانہ تجارت کتب، کراچی، سال اشاعت ندارد
- جصاص، ابوبکر، الفصول فی الاصول، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۲۰۰۰ء/۱۴۲۰ھ
- جوینی، البرھان فی اصول الفقہ، تحقیق صلاح بن محمد، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۷ء
- حاکم نیشاپوری، المستدرک، دار الکتاب العربی، بیروت لبنان، سال اشاعت ندارد
- حاکم نیشاپوری، کتاب معرفۃ الصحابۃ، دار الکتاب العربی بیروت، لبنان، سال اشاعت ندارد
- خزاعی، ابوالحسن علی بن محمد، تخریج الدلالات السمعیۃ، المجلس الاعلی للشؤون الاسلامیہ، القاہرہ، ۱۹۸۰ء/۱۴۰۱ھ
- دارمی، السنن، دار الکتب العلمیہ، بیروت، سال اشاعت ندارد
- زیدان، عبدالکریم، الوجیز فی اصول الفقہ، دار نشر الکتب الاسلامیۃ لاہور پاکستان
- سرخسیؒ، اصول السرخسی، مکتبۃ المدینہ، لاہور ۱۹۸۱/۱۴۰۱ھ
- سیوطی، شرح تنویر الحوالک، مصطفیٰ البابی، قاہرہ، ۱۹۵۱ء
- شاطبی، الموافقات فی اصول الشریعۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، سال اشاعت ندارد
- شافعیؒ، محمد بن ادریس، الرسالۃ، تحقیق احمد شاکر، مصطفیٰ البابی، قاہرہ، ۱۹۴۰ء
- شیبانی، محمد بن الحسن، الاصل، دائرہ معارف العثمانیہ، حیدرآباد دکن ۱۹۶۶ء/۱۳۸۶ھ
- طبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، تحقیق ابوالفضل والمعارف، قاہرہ ۱۹۶۱ء
- عبدالعزیز بخاری، کشف الاسرار
- عزالدین، قواعد الاحکام فی مصالح الانام (دار الکتب العلمیۃ، بیروت، سال اشاعت ندارد
- غزالی، المستصفی من علم الاصول، مطبعہ الامیریہ، بولاق مصر ۱۳۲۴ھ
- فاورقی، محمد یوسف، Development Of Usul-al Fiqh، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔
- فہمی، احمد مجموعہ رسائل ابن عابدین، مطبعہ الازہر ۱۹۴۲ء
- قرافی، احمد بن ادریس، نفائس الاصول فی شرح المحصول، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۰ء/۱۴۲۱ھ
- قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، دار الکتاب العربی، بیروت ۲۰۰۰ء/۱۴۲۱ھ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

- کاسانی، بدائع الصنائع، سعید کمپنی، کراچی، ۱۴۰۰ھ
- کتانی، عبدالحی، التراتیب الاداریة، حسن بھنا، بیروت، سال اشاعت ندارد
- مالکؒ، المؤطا، مکتبہ رحیمیہ، دیوبند، سال اشاعت ندارد
- ماوردی، ادب القاضی، تحقیق محی ھلال السرحان، مطبعہ الارشاد، بغداد، ۱۹۷۱ء،
- ماوردی، الاحکام السلطانیة، دارالفکر، بیروت، سال اشاعت ندارد
- محمد حمیداللہ، الوثائق السیاسیة، دارالنفائس، بیروت ۱۹۸۳ء/۱۴۰۴ھ
- مناظر احسن گیلانی، مقدمہ تدوین فقہ، مکتبہ رشیدیہ، لاہور ۱۹۷۶ء
- ندوی، سید سلیمان، سیرت عائشہؓ، اعظم گڑھ ۱۹۷۷ء
- وھبہ زحیلی، اصول الفقه الاسلامی، دارالفکر المعاصر بیروت، ۱۹۸۶ء/۱۴۰۶ھ
- عبدالقادر ابن احمد مصطفیٰ بدران الاشقی، نزھة الخاطر شرح روضة الناظر، دارالفکر العربی

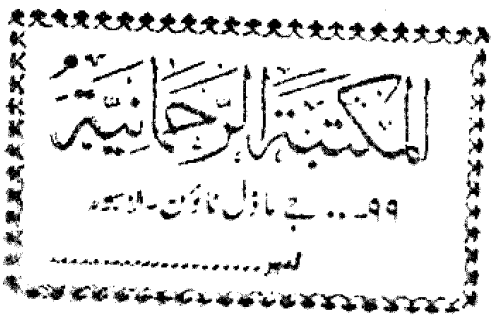

www.kitabosunnat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

SHARI'AH ACADEMY
ISLAMABAD
PAKISTAN